ABC سے تصدیق شدہ اشاعت
ماھنامہ
نورالحبیب
بصیرپور
جلد نمبر
36
شوال المکرم
۱۴۴۵ھ
اپریل
2024ء
شمارہ نمبر
4
مدیرِ اعلیٰ:
صاحبزادہ محمد محبّ اللہ نوری

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ
القرآن
ھُوَ الْحَبِيْبُ الَّذِيْ تُرْجٰى شَفَاعَتُهٗ لِكُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمِ
ماہنامہ
نور الحبیب
بصیر پور
Regd No. PS | CPL - 25 ISSN 1993-4238
زیر ظل عاطفت
فقیہ اعظم
حضرت مولانا ابوالخیر
محمد نور اللہ نعیمی
قدس سرہ
بانی دار العلوم حنفیہ فریدیہ و ماہنامہ نور الحبیب
شوال المکرم ۱۴۴۵ھ
جلد نمبر 36
اپریل 2024ء
شمارہ نمبر 4
مدیر اعلیٰ
صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری
مجلس ادارت
• پروفیسر خلیل احمد نوری
• صاحبزادہ محمد نعیم اللہ نوری
• صاحبزادہ محمد فیض المصطفیٰ نوری
• پروفیسر حافظ محمد اعظم نوری
• پروفیسر محمد امین صابر القادری
• صحافی محمد اصغر مجددی
قانونی مشاورت
• میاں فیض علی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ
• صاحبزادہ محمد سعد اللہ نوری ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
منیجر:
مولانا غلام عباس نوری ایزی پیسہ اکاؤنٹ: 0346-1276516
تزئین:
مولانا محمد یوسف نوری
کمپوزنگ:
نوری کمپوزنگ سنٹر بصیر پور شریف
سرورق:
نوٹ: جو مستقل قارئین ماہنامہ "نور الحبیب" بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک حاصل کرنا چاہتے ہیں، وہ سالانہ چندہ کے ساتھ
مبلغ=/120 روپے مزید بھیجیں، انھیں ہر ماہ رسالہ بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک پوسٹ کر دیا جائے گا--- ان شاء المولیٰ تعالیٰ
خصوصی چندہ سالانہ: =/4000 روپے
عمومی چندہ سالانہ: =/800 روپے
فی کاپی: =/70 روپے
ترسیل زر کا پتہ:
انجمن حزب الرحمٰن (شعبۂ تبلیغ) دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع اوکاڑا
پوسٹ کوڈ 56011
E-Mail:
noorulhabibmonthly@gmail.com
www.facebook.com/mohibnoori
www.facebook.com/hanfiafaridiah
ناشر محمد محب اللہ نوری نے گنج شکر پرنٹرز لاہور سے چھپوا کر دفتر نور الحبیب بصیر پور سے شائع کیا

اس شمارے میں

منظومات

ادارہ کا مضمون نگار کی آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

قارئینِ نورالحبیب کو عیدالفطر مبارک---[ادارہ]

(مسائلِ عید، شمارہ مارچ 2024ء میں ملاحظہ فرمائیں)

اے مرے اچھے خدا

مشکلیں آسان کر دے، اے مرے اچھے خدا
دامنِ امید بھر دے ، اے مرے اچھے خدا

مفلسی نے مجھ سے تدبیروں کے چھینے ہیں چراغ
پھر تمیزِ خیر و شر دے ، اے مرے اچھے خدا

میرے ہاتھوں میں تلاشِ رزق کی رکھ دے لکیر
بے ہنر کو بھی ہنر دے ، اے مرے اچھے خدا

تیرے بندے در بدر پھرتے رہیں گے کب تلک
سب کو اک اچھا سا گھر دے، اے مرے اچھے خدا

بھوک کھیتوں میں اُگے گی کیا قیامِ حشر تک
خوشۂ گندم کا زر دے ، اے مرے اچھے خدا

چھین لے کشکول مجھ سے اے مرے رب کریم
ہاتھ میں لعل و گہر دے ، اے مرے اچھے خدا

کیا بچھائیں گے ہمیشہ ہی صفِ ماتم ، گلاب
شاخ پر برگ و ثمر دے، اے مرے اچھے خدا

آسماں نے موند لیں آنکھیں کسی کے خوف سے
رات کو نورِ قمر دے ، اے مرے اچھے خدا

پھر مرے تشنہ لبوں پر پھول کھل اٹھیں ہزار
پھر دعاؤں میں اثر دے، اے مرے اچھے خدا

آرزو پرواز کی زنجیر پا ہوتی نہیں
پھر قفس میں بال و پر دے، اے مرے اچھے خدا

اپنی منزل کے انہیں آثار بھی آئیں نظر
قافلوں کو رہ گزر دے ، اے مرے اچھے خدا

بے حسی نے جسم پتھر کر دیا انسان کا
ہر کسی کو چشم تر دے ، اے مرے اچھے خدا

گھپ اندھیروں میں دکھائی کچھ نہیں دیتا مجھے
روشنی ، شام و سحر دے ، اے مرے اچھے خدا

روشنی کو دیکھنے کا کھو نہ بیٹھوں میں ہنر
عرصۂ شب مختصر دے ، اے مرے اچھے خدا

میرے آنگن میں اتر آئے ستاروں کی قطار
چاند کو اذنِ سفر دے ، اے مرے اچھے خدا

کس طرح چہروں کی اترے گی تھکن اب راہ میں
پھول برساتے ہنر دے، اے مرے اچھے خدا

دھوپ کے خیمے اٹھائے پھر رہے ہیں آج بھی
لاکھ برگد کے شجر دے، اے مرے اچھے خدا

عدل کی بنیاد پر تعمیر ہو قصرِ قلم
علم کے قلب و نظر دے، اے مرے اچھے خدا

پھر کہیں الجھا نہ رہ جائے مسائل میں ریاضؔ
داستانِ معتبر دے ، اے مرے اچھے خدا

ریاض حسین چودھری

سرکار، مری تشنہ لبی کا بھی مداوا

سرکار، میں آنسو ہوں سرِ شاخ جلا ہوں
سرکار، شبِ جبر کے صحرا میں پڑا ہوں

سرکار، میں محتاج مسلسل ہوں کرم کا
سرکار، حوادث کی چٹانوں میں گھرا ہوں!

سرکار، اندھیرا ہی اندھیرا ہے گلی میں
سرکار، ابھی دھوپ کے جنگل میں کھڑا ہوں

سرکار، مرے صبر کا پیمانہ نہ چھلکے
سرکار، میں محرومی کی مٹی سے اٹا ہوں

سرکار، یہ شب اشک بہانے میں ہے گزری
سرکار، درِ خوف پہ میں جلتا رہا ہوں

سرکار، مرا رزق کشادہ ہو زمیں پر
سرکار، میں خود اپنے ہی ملبے پہ گرا ہوں

سرکار، مری تشنہ لبی کا بھی مداوا
سرکار، کٹوروں میں پڑا سوکھ گیا ہوں

سرکار، میں کعبے کو دل و جاں میں بسا کر
سرکار، مدینے کی طرف چلنے لگا ہوں

سرکار، تلافی ہو مرے گزرے دنوں کی
سرکار، جلے عہد کی بے چین صدا ہوں

سرکار، ہو لمحاتِ مسرت کی بشارت
سرکار، میں تنہائی میں جل جل کے بجھا ہوں

سرکار، ہوں احوال بیاں کرنے سے قاصر
سرکار، کئی دن سے میں مرجھایا ہوا ہوں

سرکار، مرے حق میں دعاؤں کی ہو بارش
سرکار، ابھی اور عطاؤں کی ہو بارش

ریاض حسین چودھری

غزہ والو، ہم شرمندہ ہیں!

پروفیسر خلیل احمد نوری

۱۴۴۵ ہجری کا ماہِ رمضان ایسے وقت میں جلوہ فگن ہوا ہے کہ ایک طرف دو (۲) ارب مسلمان، فرض روزہ کی عبادت کے ساتھ ساتھ مساجد اور گھروں میں نماز تراویح، قرآن مجید کی تلاوت، نوافل، اعتکاف، دعا و مناجات اور تسبیح و اذکار سے روحانی سکون حاصل کر رہے ہیں، کسی خوف و خطرے سے آزاد اپنے رب کو راضی کرنے میں لگے ہوئے ہیں، دوسری طرف فلسطین میں غزہ شہر کے ڈیڑھ ملین مسلمان خان یونس اور رفح اور جبالیہ کے کیمپوں میں پناہ گزینی، بے بسی اور لاچارگی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ یقینی طور پر یہ ماہ رمضان بالکل مختلف حالات میں آیا ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان سحر و افطار میں لذیذ کھانوں، عمدہ مشروبات اور رسیلے پھلوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ مساجد اور گھروں میں دستر خوان بچھے ہیں، افطار پارٹیاں ہو رہی ہیں اور ڈائننگ ٹیبلوں پر انواع و اقسام کی اشیاء لذتِ کام و دہن کے لیے سجائی جا رہی ہیں، مگر مسلم امہ کا ایک حصہ، غزہ میں کھانے کے ایک ایک لقمے اور پانی کی ایک ایک بوند کو ترس رہا ہے۔ عید الفطر کی آمد کے ساتھ بازاروں کی رونقیں عروج پر ہیں، ملبوسات اور سجاوٹ و بناوٹ کی اشیاء سے شاپنگ مالز بھرے پڑے ہیں اور ہر کوئی اپنی استطاعت کے مطابق خریداری سے عید کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ ادھر، قحط زدہ غزہ میں نہ خوراک ہے، نہ پانی۔ قحط سالی

خوفناک حد تک پہنچ گئی ہے۔ اقوامِ متحدہ کے مطابق گیارہ لاکھ افراد کو غذائی قلت کا سامنا ہے۔ وہاں، ہماری مسلم برادری، جی ہاں، اسلامی اخوت کے ناتے ہمارے جسم کا حصہ، جڑی بوٹیاں اور گھاس کھانے اور آلودہ پانی پینے پر مجبور ہے۔ خیموں میں رہنے والے فلسطینیوں کے لیے ایک کلو آٹے کی قیمت چالیس پونڈ (پاکستانی چودہ ہزار روپے) ہے، بشرطیکہ مل جائے۔ اسرائیلی وزیر دفاع نے جنگ کے شروع میں ہی خوراک، پانی اور ایندھن کی بندش کا اعلان کر دیا تھا۔ اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ جو امداد پہنچ رہی ہے وہ، آبادی کے ایک فی صد حصے کے لیے بھی ناکافی ہے۔ ایسا بھی ہوا کہ سنگ دل اسرائیلی فوجیوں نے امدادی ٹرک کو بم سے اُڑا دیا اور آٹے کی بوریوں کو گولیوں کے فائر کر کے تباہ کر دیا۔ بمباری کی وجہ سے شہادتوں پر شہادتیں ہو رہی ہیں۔ دو چار نہیں، روزانہ سو، ڈیڑھ سو کا ہندسہ شہادتوں کی خبر لاتا ہے۔ فاقوں اور طبی سہولتوں کے فقدان کے باعث اموات اس کے علاوہ ہیں۔ ہسپتالوں میں آکسیجن نہ ہونے سے اموات کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ گھر ملبے کے ڈھیر بنا دیے گئے، ہر وقت بمباری کا خوف سر پر مسلط ہے۔ بلڈوز کی جانے والی عمارتوں سے اٹھتے ہوئے دھوئیں اور مٹی کے بادل فضا کو مکدر کر رہے ہیں۔ غزہ کی آبادی میں ستر سے اسّی فی صد مکانات کھنڈر بنا دیے گئے۔ معلوم نہیں ان عمارتوں کے ملبے سے کتنی مسخ شدہ لاشیں نکلیں گی، کتنے اعضا کٹے اور کچلے ہوئے لاشے برآمد ہوں گے، کتنے پھول سے معصوم بچوں کی میتوں کو ان کی ماؤں کے سپرد کیا جائے گا۔ بہت سے وہ ہوں گے جو اپنے پیاروں کے بدنوں کی صرف باقیات کو ہی کفنوں میں لپیٹ کر سپردِ خاک کر سکیں گے۔

سفا کی اور بے رحمی کے بہت سے واقعات، تاریخ نے اپنے سینے میں محفوظ رکھے ہیں۔ چشمِ تصور سے ان واقعات کو ذہن میں لانے سے ہی روح کانپ اٹھتی ہے، مگر آج کی جدید اور گلوبل ویلج دنیا میں کیمروں نے ہمارے لیے غزہ سے کئی مناظر محفوظ کر رکھے ہیں۔ فلسطین کے شہر غزہ میں سفا کی کے ہولناک مناظر، ہم صرف چشمِ تصور سے نہیں، چشمِ سر سے دیکھ سکتے ہیں، جو مین سٹریم میڈیا اور سوشل میڈیا کے ذریعے رپورٹ ہو کر مسلم امہ کی غیرت وحمیت کا ماتم کر رہے ہیں۔ غزہ سے ہزاروں کلومیٹر کی دوری کے باوجود ہم تصاویر میں دیکھ رہے ہیں کہ زندہ انسانوں کو جن میں عورتیں شامل ہیں، کھلی گاڑی میں آنکھوں پر

پٹیاں باندھ کر، تن برہنہ کہیں لے جایا جا رہا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ سفید کفن میں لپیٹے، اپنے جگر گوشے کو ہاتھوں میں اٹھائے، آنسوؤں کی برسات میں باپ، اپنے معصوم بچے کو زیرِ زمین لٹا کر الوداع کہہ رہا ہے۔ نیٹ پر ویڈیو وائرل ہے کہ ایک دادا جان اپنی جان سے عزیز تر پوتی جسے وہ ''روح الروح'' کہتے ہیں، کے مردہ جسم کو باہوں میں لپیٹے پیار کر رہا ہے۔ برباد شدہ گھر کے ملبے سے اس کے کھلونے برآمد کر کے آنکھوں کو لگا کر دل کی تسکین کا سامان کر رہا ہے۔ ایک ماں ہے جو سفید کفن میں لپٹے اپنے ایک بچے کو دائیں، دوسرے کو بائیں ہاتھ میں لیے ان سے مخاطب ہو کر الوداعی گفتگو کر رہی ہے۔ کبھی دائیں بیٹے سے اور کبھی بائیں بیٹے سے مخاطب ہوتی ہے۔ سوشل میڈیا میں شائع ہونے والی تصاویر ہمیں بتا رہی ہیں کہ قطار اندر قطار پڑی سو (۱۰۰) سے اوپر میتیں ان افراد کی ہیں جو خوراک کی شکل میں ملنے والی امداد کا انتظار کر رہے تھے کہ اسرائیلی جہازوں کی بمباری نے انہیں موت کی نیند سلا دیا۔ تصویروں میں دیکھا جا سکتا ہے کہ تباہ شدہ گھر سے لوگ اپنے سامان کی بچی کھچی اور ٹوٹی پھوٹی اشیاء تلاش کر رہے ہیں۔ اجتماعی قبروں میں رکھی میتوں کے کئی دل دہلا دینے والے مناظر ہیں جو ہماری آنکھوں کو پتھرا رہے ہیں۔ شہداء کی لاشوں کی بے حرمتی کرتے، انہیں ٹھڈے مارتے، ان پر نفرت سے پیشاب کرتے اسرائیلی فوجیوں کی درندگی کے مناظر بھی میڈیا دکھا رہا ہے۔ رمضان المبارک کے اسی مقدس مہینے کی تصویریں ہیں کہ ایک فیملی اپنے مسمار کر دیے گئے گھر کے ملبے پر بیٹھ کر روزہ افطار کر رہی ہے اور دوسری طرف پانی کے ٹینک کے اردگرد، خالی برتن لیے انسانوں کا ہجوم ہے جو پانی کے چند قطروں کے لیے ٹوٹا پڑ رہا ہے۔ مردوں، عورتوں اور بچوں کی بکھری ہوئی لاشیں پڑی ہیں جو افطار کا امدادی سامان لینے کے لیے جمع ہوئے تھے کہ بمباری نے انہیں موت کی وادی میں اتار دیا۔ رفح میں زمیں بوس کر دی گئی مسجدوں کی تصویریں بھی ہیں جن کے ملبے پر فلسطینی اذان کی آوازیں بلند کر رہے ہیں اور نماز تراویح ادا کی جا رہی ہے۔ ایک تصویر میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک نوجوان جس کا نام حمزہ ابو حلیمہ ہے، اسے تن برہنہ ہتھکڑیوں میں جکڑ کر کرسی پر بٹھایا گیا ہے اور ایک مسلح اسرائیلی فوجی اس سے پوچھ گچھ کر رہا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ کیا تم ہم سے ڈرتے ہو؟ حمزہ کا جواب ہے کہ نہیں، میں ستم سے کیوں ڈروں جب کہ اس سے دو دن پہلے، اس کے والد اور

اس کی بیوی کو شہید کر دیا گیا ہے۔ دو دن تک اس کے بچے اپنی ماں کی لاش پر بیٹھے روتے رہے، پھر انہیں بھی شہید کر دیا گیا۔ یہ تصویر ایک پناہ گزین کیمپ کی ہے جو صرف بیواؤں اور یتیم بچوں کے لیے مختص کیا گیا ہے۔ یہاں سیکڑوں بیوہ عورتیں اور ہزاروں یتیم بچے قیام پذیر ہیں۔ ہر بیوہ خاتون ایک الگ داستان لیے ہوئے ہے اور ہر بچے کی آنکھ اپنے والد کی راہ تک رہی ہے۔ ایک اور تصویر میں چھ بچیوں کی ماں کہتی ہے کہ میرے پاس اتنا بھی نہیں کہ میں ان بچیوں کے لیے ایک ٹماٹر ہی خرید سکوں۔ سحر و افطار کے لیے ان فلسطینیوں کے پاس ناکافی امداد میں ملنے والے ڈبوں میں بند کھانوں کے سوا کچھ نہیں۔ یہ خوراک بھی انہیں تین دنوں کے بعد ملی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمارے پاس ماہ رمضان کے لیے، سوائے ایمان اور دعا کے کچھ نہیں ہے۔

فلسطینی مسلمانوں کی بے بسی کی یہ چند تصاویر ہیں، ورنہ انٹرنیٹ پر ایسی سیکڑوں تصاویر فلسطینی مسلمانوں کی مظلومیت کی روداد بیان کر رہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ غزہ میں، شہداء، زخمیوں اور بے گھر ہونے والوں کے اعداد و شمار کو جمع کرنے اور رپورٹ کرنے والا نہ پرنٹ میڈیا ہے اور نہ کوئی سرکاری انتظام، جو باقاعدہ ان واقعات کو دستاویزی شکل دے۔ جو نامکمل معلومات دستیاب ہیں، ان کے مطابق، شہادتوں کا عدد اب پینتیس ہزار کو چھو رہا ہے۔ ان میں بارہ ہزار سے زائد بچے ہیں۔ اکیسویں صدی کے تنازعات میں مجموعی اموات کی یہ سب سے بڑی تعداد ہے۔ ستر ہزار سے زائد زخمی ہیں اور پندرہ لاکھ سے زائد فلسطینی بے گھر ہو چکے ہیں۔ بائیس ہسپتالوں میں سے صرف چھ ہسپتال کسی حد تک کام کر رہے ہیں، باقی سب تباہ کر دیے گئے۔

۷/ اکتوبر ۲۰۲۳ء کے واقعہ کے ردّ عمل میں اسرائیل کی طرف سے بپا کی گئی جنگ میں اسرائیلی بربریت اور جرائم کی کئی جہتیں ہیں، مثلاً جن فلسطینی مسلمانوں کو جبری طور پر اغوا کیا گیا انہوں نے بتایا کہ دورانِ حراست انہیں طرح طرح کے تشدد کا نشانہ بنایا گیا، لاٹھیوں سے پیٹا گیا، بجلی کے جھٹکے دیے گئے، بیڑیوں میں باندھ کر ان کے جسم پر زہریلا کیمیائی مواد چھڑکا گیا، آلودہ اور زہر ملا پانی پلایا گیا، حراست میں لیے گئے نوجوانوں کو مکمل کپڑے اتار کر ان کے گھر والوں کے سامنے لایا جاتا رہا اور یہ کہ اسرائیلی عقوبت خانوں میں رات کے وقت بارش میں

کھلے آسمان کے نیچے کھڑا رکھا جاتا ہے۔ ٹھنڈا پانی ڈال کر اوپر سے پنکھے چلا دیے جاتے ہیں اور زور زور سے موسیقی بجائی جاتی ہے۔ الیکٹرک آلات کے ذریعے ان کی تلاشی لی جاتی ہے۔ لاٹھیوں اور ڈنڈوں سے مار کر ان پر کتے چھوڑ دیے جاتے ہیں۔ حساس جگہوں پر ضربیں لگا کر اذیت دی جاتی ہے۔ جہنم جیسے گڑھوں میں رکھا جاتا ہے، جہاں ادنیٰ درجے کی انسانی سہولت بھی میسر نہیں ہے۔

اسرائیلی فوجی، مسلمانوں کی تذلیل کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ خواتین کے جنسی استحصال کی خبریں عالمی میڈیا کی شہ سرخیوں میں لاتے ہیں۔ فلسطینی خواتین کی برہنہ اور توہین آمیز تصاویر شائع کرتے ہیں۔ انہیں برہنہ کر کے تلاشی لیتے ہیں۔ اقوام متحدہ کی رپورٹ بھی اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ فلسطینیوں کو محکوم بنانے کے لیے اسرائیلی، جنسی استحصال کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔

برطانوی، مغربی اور امریکی عوام نے فلسطینیوں کے حق میں بڑے بڑے مظاہرے کر کے فلسطینیوں کے حق میں آواز بلند کی ہے، یہاں تک کہ امریکی ایئرفورس کے ایک اہل کار نے احتجاجاً واشنگٹن میں واقع اسرائیلی سفارت خانے کے سامنے خودسوزی کرتے ہوئے اپنے آپ کو آگ لگا لی۔ فوجی لباس میں ملبوس اس پچیس سالہ نوجوان نے انٹرنیٹ پر لائیو سٹریم کے دوران خودسوزی سے پہلے کہا کہ میں اب فلسطینیوں کی نسل کشی میں شریک نہیں ہوں گا۔ اس کے بعد اس نے پیٹرول چھڑک کر خود کو آگ لگائی اور جھلستے ہوئے ''فلسطین کو آزاد کرو'' کا نعرہ لگاتا رہا۔ تین دن کے بعد اس کی موت واقع ہوگئی۔ کرب اور دکھ کی گھڑی میں فلسطینیوں کے عزم و حوصلہ سے متاثر ہونے کی مثال پینتالیس سالہ سابق امریکی پادری شان کنگ کی ہے۔ انہوں نے غزہ کے باشندوں کی مصیبت کے وقت میں مذہب کے ساتھ شدید وابستگی اور تسلیم و رضائے الٰہی کا جذبہ دیکھ کر اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی اہلیہ کے ہمراہ اسلام قبول کر لیا ہے۔ اسلام قبول کرتے وقت شان نے فلسطینی رومال ''کفایہ'' پہن رکھا ہے۔ ان کی اہلیہ عبایا اور سکارف پہنے ہوئے ہیں۔ سلیم الفطرت شان کنگ عرصے سے نسل پرستی اور مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک کے خلاف آواز بلند کرتے رہے ہیں۔ غزہ کی جنگ میں بھی وہ مسلمانوں کی نسل کشی پر سیخ پا دکھائی دیے۔ ان کا کہنا ہے

کہ اہلِ فلسطین جس طرح ملبے سے اپنوں کی باقیات تلاش کرتے ہوئے مقصد کے ساتھ پرعزم نظر آئے، اس نے مجھ پر گہرا اثر چھوڑا۔ غزہ کے شہریوں کی ایمان اور اسلام کے ساتھ عقیدت نے میرا ہی نہیں لاکھوں لوگوں کا اسلام کے لیے دل کشادہ کر دیا ہے۔ انہوں نے اپنے ٹویٹ میں کہا کہ امریکہ کو شب بخیر اور باقی دنیا کو صبح بخیر۔

اس کے برعکس یورپ اور امریکہ کے بے حس حکمران اپنے ناجائز بچے اسرائیل کی حمایت میں بدستور خم ٹھوک کر کھڑے ہیں۔ امریکی سینٹر نے یہاں تک کہہ دیا کہ فلسطینی بچوں کو قتل کر دو۔ جنگ کی ابتدا سے لے کر اب تک تین بار امریکہ اقوام متحدہ میں جنگ بندی کے حق میں پیش ہونے والی قراردادوں کو ویٹو کر چکا ہے۔ پانچ ماہ کے مختصر عرصے میں متعدد بار امریکہ، اسرائیل کو اسلحہ و بارود فروخت کر کے اس کی قوت میں اضافہ کر چکا ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ اسرائیل اپنے اسلحے کے زور پر طویل عرصے تک جنگ کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ گویا اسرائیل کے سرپرست آج اسرائیل کے سر سے ہاتھ اٹھا لیں تو یہ جنگ ایک آدھ دن میں ختم ہو جائے۔ حد یہ ہے کہ امریکی صدر نے رمضان میں جنگ روکنے کا کہا ہے لیکن اسرائیل کو امریکی صدر کے مشورے کی پروا نہیں ہے اور بدستور حملے جاری ہیں۔ اقوام متحدہ کہ جس کی ذمہ داری عالمی امن کا قیام ہے، نے اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے ہاتھ کھڑے کر دیے ہیں۔ ادارے کے سیکرٹری جنرل نے غزہ کا دورہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اقوام متحدہ کے پاس جنگ بندی کا اختیار نہیں۔ جن کے پاس اختیار ہے وہ جنگ کو روکیں۔ برطانیہ میں صحافتی تنظیموں کو حکومت کی طرف سے ملنے والے فنڈ روکنے کی دھمکیاں مل رہی ہیں اور صحافیوں کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ اسرائیل کی جنگی کارروائیوں کو نسل کشی کا نام نہ دیں اور نہ ہی فائر بندی کا مطالبہ کریں۔ جب کسی یورپی سربراہ مملکت یا ان کے ترجمان سے اسرائیلی بربریت پر سوال کیا جاتا ہے تو ان کا ایک ہی رٹا رٹایا جواب ہوتا ہے کہ اسرائیل کو اپنے دفاع کا حق حاصل ہے۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ اسرائیلی یہودیوں کی فلسطین میں حیثیت، گھس بیٹھیے کے سوا کچھ نہیں۔

اسرائیل کا مقصد، جس کا وہ اعلان کر چکا ہے، حماس کا مکمل خاتمہ ہے۔ یعنی فلسطینیوں کی نسل کشی۔ ماہرین سوال اٹھا رہے ہیں کہ کیا اسرائیل اپنے ارادوں میں کامیاب ہوگا، جب کہ

اس کے وجود کا مستقبل اس جنگ کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ جواب نفی میں ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ حماس نے فلسطینیوں کو ایک نظریہ دیا ہے۔ فلسطینی، بغیر کسی آس امید کے پچھتر سال سے مسلسل ظلم سہتے آ رہے تھے۔ انہیں ٹارچر سیلوں میں طرح طرح سے اذیتیں دی گئیں۔ زمینوں سے بے دخل کر کے، زبردستی دوسرے ملکوں میں دھکیل دیا گیا۔ان کے علاقوں میں بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اسرائیل نے بستیاں آباد کیں۔ پون صدی کے جبر پر صبر کے مقابلے میں، حماس نے فلسطینیوں کو ایک متبادل فراہم کیا ہے اور انہیں یہ باور کرایا ہے کہ محاذ آرائی اور انقلابی اقدامات کے بغیر وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ بہتر (۷۲) فی صد فلسطینی، حماس کے اکتوبر میں شروع کیے گئے اقدام سے متفق ہیں۔ اس جنگ کے بعد حماس کی حمایت کئی گنا بڑھ گئی ہے۔عرب ممالک اور باقی مسلم دنیا کی عوام میں بھی حماس کے لیے ہم دردیوں میں اضافہ ہوا ہے۔اسرائیل اب تک زیرزمین ان خفیہ سرنگوں کو ختم نہیں کر سکا جو حماس کی جنگی حکمت عملی کا اہم حصہ ہیں۔اگرچہ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ بدستور ان کے خاتمے کی طرف بڑھ رہا ہے۔حماس کا خاتمہ اس لیے بھی ممکن دکھائی نہیں دیتا کہ فلسطین میں اب ایک نئی نسل پیدا ہو چکی ہے جو اپنے والدین اور بڑوں پر ہونے والے ظلم وستم کا بدلہ لینا چاہتی ہے۔ یہ نئی نسل اپنے پیش رو شہداء کی جگہ لینے کے لیے تیار کھڑی ہے۔ اسرائیل کے حالیہ ظالمانہ جنگی اقدامات سے حماس کے نظریے کو تقویت ملی ہے اور فلسطینی اور بھی شدت پسند ہو گئے ہیں۔اس جنگ نے ان کے جذبہ جہاد میں نئی روح پھونک دی ہے، لہٰذا حماس کے نظریے کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔اس کا مطلب ہے کہ اسرائیل اپنی حکمت عملی میں ناکام ہوا ہے۔ وقتی طور پر اسے جو کامیابیاں مل رہی ہیں، اس سے وہ حماس کو نیچا تو دکھا سکتا ہے مگر اس کا مکمل خاتمہ ممکن نہیں۔ دوسری طرف خود اسرائیل کو اس جنگ نے بہت نقصان پہنچایا ہے۔نیتن یاہو دنیا بھر میں نفرت کا نشانہ بنا ہوا ہے۔اسرائیلی معیشت نہایت تیزی سے روبہ زوال ہے۔اس کی فوج کا مورال کمزور پڑ چکا ہے۔تیس ہزار سے زائد اسرائیلی فوجیوں کو ذہنی اور نفسیاتی پریشانیوں کا سامنا ہے اور انہیں علاج کے لیے ہسپتال آنا پڑا۔

کیا مسلم حکمران، اتنے بڑے پیمانے پر ہونے والے ظلم وستم پر کوئی مؤثر حکمت عملی

اپنائیں گے اور اپنے مسلمان بھائیوں، بہنوں، بزرگوں اور بچوں کو مظلومیت سے نکالنے کے لیے متفقہ لائحہ عمل اختیار کریں گے؟ فی الوقت اس کی توقع نہیں ہے۔ مسلمان، جو دنیا کی کل آبادی کا ایک چوتھائی ہیں، جن کے پاس مجموعی طور پر اسّی (۸۰) لاکھ سے زائد فوج ہے، اس معاملے میں بالکل غیر متعلق اور غیر فعال دکھائی دیتے ہیں۔ مسلم نمائندگی کا سیاسی ادارہ او آئی سی جس کے قیام کا اوّلین مقصد ہی مسجد اقصیٰ کا تحفظ ہے، ایک اجلاس منعقد کرنے کے بعد خاموش ہے۔ ہائے افسوس کہ امتِ مسلمہ کے سربراہان نے اس اجلاس کا جو اعلامیہ جاری کیا، وہ بس اتنا تھا کہ ہم سب مل کر صہیونی جارحیت کی پرزور مذمت کرتے ہیں اور اقوام متحدہ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اسرائیل کو روکے۔ افسوس اس پر بھی کہ بعض غیر مسلم ممالک نے فلسطینیوں کی نسل کشی کا مقدمہ لے کر عالمی عدالتِ انصاف کا دروازہ کھٹکھٹایا تو سوائے ترکیہ کے کوئی مسلم ملک اس میں پارٹی بننے کے لیے بھی تیار نہ ہوا۔ سعودی عرب، جسے مسلمانوں کا مرکز ہونے کا شرف حاصل ہے، وہاں اسلحے کی نمائش میں اسرائیلی ڈرون اور میزائلوں کی نمائش کی گئی۔ پاکستان میں پی ایس ایل کے میچوں میں فلسطینی پرچم لانے پر پابندی عائد رہی۔ ایٹمی طاقت کے حامل اور مضبوط ترین فوجی قوت رکھنے والے پاکستان کی سیاسی پارٹیاں حکمرانی کی چھینا جھپٹی اور باہمی جھگڑوں میں الجھی ہوئی ہیں اور بشمول حکمران اتحاد، فلسطینیوں کے حق میں آواز اٹھانے کے لیے کسی کو فرصت نہیں یا مصلحتاً اس ایشو پر منقار زیر پر کیے بیٹھے ہیں۔ اہلِ صحافت کو ذاتی مفاد کے موضوعات پر کام کرنے سے دلچسپی ہے۔ مسلم امہ کے مسائل پس پشت ڈال دیے گئے ہیں۔ ٹی وی اینکرز ریٹنگ بڑھانے والے ایشوز کو ترجیح دیتے ہیں۔ سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی افراتفری کے ماحول اور شوروغل میں اہلِ فکر ودانش کی آواز دب کر رہ گئی ہے۔ علماء کرام روایتی موضوعات سے ایک قدم آگے بڑھنے کو تیار نہیں۔ جس قوم کے رہنماؤں اور قائدین کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہ ہو، وہاں عوام الناس سے یہ توقع عبث ہے کہ وہ ہزاروں کلومیٹر دور فلسطینیوں کی مصیبت پر کوئی سنجیدہ ردّعمل ظاہر کریں گے۔ لہٰذا غزہ والو!

ہم شرمندہ ہیں کہ ہمارے پاس ایٹم بم ہیں، میزائل ہیں، ٹینک ہیں، آواز سے تیز جنگی جہاز ہیں اور دنیا کی مضبوط ترین اور انتہائی تربیت یافتہ فوج ہے۔ مگر ہم تمہاری عسکری مدد

کرنے سے قاصر ہیں۔

ہم شرمندہ ہیں کہ سحر وافطار میں خوش خوراکی پر لاکھوں روپے خرچ کرتے ہوئے نہ ہمیں تمہاری کئی کئی دن کی فاقہ کشی یاد آتی ہے، نہ بھکاریوں کی طرح بے بسی سے امدادی سامان پر تمہارا ہجوم کرنا دکھائی دیتا ہے اور نہ ہی افطار کے لیے جمع ہونے والے بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کی اسرائیلی بمباری سے بکھری لاشیں دکھائی دیتی ہیں۔

ہم شرمندہ ہیں کہ تم تن برہنہ ہو مگر ہم عید الفطر پر زرق برق لباس پہنیں گے، سجنے سنورنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے۔ ہم اپنی خوشیوں میں تمہاری چیخوں کی آواز سننے کو تیار نہیں ہیں۔

ہم شرمندہ ہیں کہ تم کیمپوں کی درماندہ زندگی پر مجبور کر دیے گئے ہو، تمہارے نوجوان شہید کر دیے گئے، تمہاری عورتیں بیوہ ہوئیں، بچوں کو یا تو بہشت بریں میں سلا دیا گیا یا یتیمی کی گود میں بٹھا دیا گیا مگر ہم تمہاری مصیبت کو یاد کر کے اپنی لذتوں میں کڑواہٹ گھولنا نہیں چاہتے۔

ہم شرمندہ ہیں کہ لگ بھگ پینتیس ہزار شہادتوں کے باوجود ہماری بے حسی پر کوئی آنچ نہیں آئی اور ہماری حمیت اور غیرت کو کوئی فرق نہیں پڑا۔

ہم شرمندہ ہیں کہ ہم تمہاری خاطر اتنا بھی ایثار نہیں کر سکتے کہ اسرائیل اور اس کے سہولت کاروں کی مصنوعات کا بائیکاٹ کر کے دشمن کو کمزور کرنے کا یہ معمولی قدم ہی اٹھا لیں۔

غزہ والو! ہزاروں شہداء کے وارثو! تم پر سیکڑوں بار سلام کہ ان کٹھن حالات میں بھی تم بے حوصلہ نہیں ہوئے۔ اس جنگ نے تمہارے اندر توکل اور تسلیم و رضا کے جذبے کو اور بھی توانا کر دیا۔ تم تھک ہار کر اور اپنا سب کچھ گنوا کر بھی، اسرائیل کے آگے نہیں جھکے۔

حماس کے مجاہدو! تمہاری عزیمت اور ثابت قدمی کو سلام کہ تم نہتے ہو کر بھی سو گنا زیادہ طاقت ور دشمن کا مقابلہ کر رہے ہو۔ یقین ہے کہ تمہاری فتح اور آزادی کا سورج ضرور طلوع ہو کر رہے گا اور ایک نہ ایک دن، اسرائیل کے ناجائز وجود سے یہ دھرتی پاک ہو جائے گی۔ (ان شاء اللہ)

رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ [البقرۃ،۲:۲۵۰] اَللّٰھُمَّ احْفَظْ وَ انْصُرْ اِخْوَانَنَا الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ غَزَّةَ و فلسطین و تَقَبَّلْ شُھَدَائَھُمْ وَ اخْذُلْ اَعْدَائَھُمْ آمین یا رَبَّ العٰلمِین

پس تحریر:

۲۶ ؍ مارچ ۲۰۲۴ء اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے بالآخر غزہ میں عارضی جنگ بندی کی قرارداد اکثریتی رائے سے منظور کرلی ہے اور اسرائیل سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ رمضان المبارک میں جنگ بند کر دے۔ پندرہ میں سے چودہ ارکان نے قرارداد کے حق میں ووٹ دیا، اسرائیل کا اتحادی اور سرپرست امریکہ ووٹنگ کی کارروائی سے الگ رہا۔ اسرائیل نے امریکہ سے ناراضی کا اظہار کیا ہے کہ اس نے قرارداد ویٹو کیوں نہیں کی اور اپنے وفد کا طے شدہ امریکی دورہ منسوخ کر دیا ہے۔ قرائن یہ ہیں کہ اسرائیل قرارداد کو اہمیت نہیں دے گا اور وہ جنگ جاری رکھے گا۔

✿✿✿✿✿

وفیات

گزشتہ دنوں ● ممتاز عالم دین حضرت علامہ پیر محمد افضل قادری، سجادہ نشین خانقاہ قادریہ عالمیہ، مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ قادریہ عالمیہ نیک آباد، مراڑیاں شریف (گجرات) ● پیر طریقت حضرت میاں عبدالخالق، زیب سجادہ خانقاہ عالیہ درگاہ بھرچونڈی شریف (سندھ) کی والدہ محترمہ ● علامہ قاری محمد اصغر نوری (جامعہ خلیل اکبر، دیپال پور) کی پوتی اور قاری اللہ دتہ نوری (مدینہ فلیکس، اوکاڑا) کی نواسی ● مولانا عظیم احمد نوری (اڈا فخر ٹاؤن، دیپال پور) کے والد محترم ● حاجی طارق محبوب نوری، محمد اویس نوری اور مولانا غلام رسول نوری (حجرہ شاہ مقیم) کی ممانی صاحبہ اور ● مولانا طالب حسین نوری (ساہیوال) کی بھابھی صاحبہ قضائے الٰہی سے وفات پا گئی ہیں:

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

جانشین فقیہ اعظم الحاج صاحبزادہ مفتی محمد محبّ اللہ نوری مدظلہ العالی نے دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے ---

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللّٰہ و سلم علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین

یہودی حکومت کے قیام کے جواز کا شرعی حکم
فتاویٰ نوریہ کی روشنی میں

پروفیسر ڈاکٹر حافظ معاذ احمد نوری قادری

کیا فرماتے ہیں علماءِ اسلام اس موقف ونظریہ کے بارے میں، کہ دنیا میں کسی جگہ بھی یہودی حکومت قائم نہیں ہوسکتی، کما قال اللہ تعالیٰ :

ضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الذِّلَّۃُ وَ الْمَسْکَنَۃُ---[البقرۃ،۲:۶۱]

''مسلط کردی گئی ان پر ذلت اور غربت''---

اس امرِ محکم کی موجودگی اور پھر عصرِ حاضر میں اسرائیلی حکومت کا سرزمینِ فلسطین بلکہ سرزمینِ عرب پر قائم ہونا کیا کھلا ہوا تضاد نہیں؟

اشتراکیت کے سوالات میں سے ایک سوال یہ بھی ہے کہ مسلمان کہتے ہیں کہ یہودی، مسلمانوں کا معمولی نقصان کے سوا کوئی نقصان نہیں کرسکیں گے۔ اگر مسلمانوں سے لڑائی ہوئی تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ فرمان خداوندی ہے:

لَنْ یَّضُرُّوْکُمْ اِلَّآ اَذًی وَ اِنْ یُّقَاتِلُوْکُمْ یُوَلُّوْکُمُ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ---[آل عمرٰن،۳:۱۱۱]

آیت مذکورہ سے مسلمانوں کو تین تاثرات ملتے ہیں:

❶ یہودی مسلمانوں کا کچھ نقصان نہ کرسکیں گے۔

❷ مقابلہ میں کھلی شکست کھائیں گے۔

❸ شکست کے بعد ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

❹ جب کہ نتائجِ عصریہ ان ہر سہ اجزاء کے مخالف نظر آتے ہیں۔

[نعیمی، فتاویٰ نوریہ، ۱۹۲/۵]

حضرت فقیہ اعظم مولانا محمد نور اللہ نعیمی رحمۃ اللہ علیہ صُوَرِ مسئولہ کے جواب میں رقم طراز ہیں:

''یہ موقف اور نظریہ کہ دنیا میں کسی جگہ یہودیوں کی حکومت قائم نہیں ہوسکتی، غلط ہے۔قرآنِ کریم کی کسی آیت میں بھی یہ نہیں کہ یہودی حکومت قائم نہیں ہوسکتی اور نہ ہی علماءِ اسلام (جو واقع میں علماء ہیں) نے یہ کہا ہے''---

[مرجع سابق، ۱۹۳/۵]

قرآنِ کریم کی جس آیت کا سائل نے ذکر کیا ہے، وہ اس آیت ضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الذِّلَّۃُ وَالْمَسْکَنَۃُ [البقرۃ،۲:۶۱] کا مفہوم نہیں سمجھ سکا، ورنہ تضاد کا دعویٰ نہ کرتا۔

واقعی اشتراکیت پرست طبقہ بلکہ ہر قسم کے کفار اسلام دشمنی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔مگر اہالیانِ اسلام کا فرض ہے کہ وہ اسلام سے واقفیت حاصل کریں اور قرآنِ کریم کے ارشادات کو باقاعدہ سمجھیں اور علماءِ ربانیین کی طرف رجوع کریں تو کوئی پریشانی کی چیز نہیں۔قرآنِ کریم نے جو کچھ فرمایا ہے وہ حرف بحرف صحیح ہے۔واقعاتِ عالم سے حقانیتِ اسلام اور صداقتِ قرآن کی تازہ بتازہ تصدیق پر تصدیق ہو رہی ہے۔

[نعیمی، فتاویٰ نوریہ، ۱۹۴/۵]

یہ آیت جو سائل نے لکھی ہے، یہ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر اکسٹھ ہے، اس کے ہم معنی دوسری آیت میں ہے:

ضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الذِّلَّۃُ اَیْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ ضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الْمَسْکَنَۃُ---[آل عمرٰن،۳:۱۱۲]

اس آیت میں بھی وہی پہلی آیت والی خبر ہے کہ ان پر خواری اور محتاجی لازم کردی گئی ہے، مگر اس آیت میں استثناء بھی ہے: اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ [مرجع سابق]

اس استثناء کے آنے سے معنی یہ بن گیا کہ ذلت اور خواری سے کسی صورت نہیں بچ سکتے، مگر اللہ کی رسی کے ساتھ اور لوگوں کی رسی کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ کی رسی کے ساتھ یوں کہ یہودی مسلمان ہو جائیں تو خواری سے بچ سکتے ہیں اور حقیقی عزت حاصل کر سکتے ہیں۔ لوگوں کی رسی کی صورت یہ ہے کہ لوگوں سے عہد و پیماں کریں، اسلامی حکومت کے ذمی بن جائیں یا کافر حکومتوں سے بھیک مانگیں اور تعاون حاصل کریں تو دنیاوی عزت پا سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں ان کی سلطنت بھی بن سکتی ہے۔ [نعیمی، فتاویٰ نوریہ، ۵/۱۹۴]

یہودیوں کی موجودہ حکومتِ فلسطین (اسرائیل) جو امریکہ، روس، برطانیہ وغیرہم کفار کے تعاون اور سرپرستی سے بن چکی ہے اور امریکہ کے زیرِ سایہ وقت گزار رہی ہے، اس حکومت کا قائم ہونا قرآنِ کریم یا اسلام کی صداقت کے خلاف نہیں بلکہ قرآنِ کریم کی بڑی صاف اور واضح صداقت ہو رہی ہے کہ حسبِ استثناء بِحَبْلٍ مِّنَ النَّاس صدیوں کے ذلیل و خوار یہودیوں کی ایک جماعت کو دنیاوی عزت مل گئی ہے اور زمین کے ایک گوشہ میں برائے نام، ناموس والے بن گئے۔ [مرجع سابق]

قرآنِ کریم کی اور آیتوں سے بھی یہ چیز واضح ہو رہی ہے۔ چنانچہ سورۃ المائدہ میں خاص یہودیوں کے متعلق ارشاد فرمایا:

کُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَھَا اللّٰہُ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا---[المائدۃ، ۵:۶۴]

''جب کبھی یہودی جنگ کی آگ بھڑکائیں گے، اللہ اسے بجھا دے گا اور یہودی زمین میں فساد کے لیے دوڑتے ہیں''---

جنگ کی آگ وہی بھڑکا سکتا ہے جس کے پاس سلطنت ہو یا سلطنت جیسی کوئی طاقت ہو، تو موجودہ حکومت کا قائم ہونا اور ان کا طاقت ور ہو کر بار بار جنگ شروع کرنا اس آیت کی ظاہر و واضح صداقت ہے۔ پھر جنگ شروع کرتے ہیں تو مجبوراً انہیں بند کرنا پڑتا ہے۔ اقوامِ متحدہ درمیان میں آ جاتی ہے تو یہ اس آیت کی دوسری صداقت ہے کہ جب کبھی جنگ شروع کریں گے، اللہ پاک بند کر دے گا۔ پھر ان کی سر توڑ فساد کی کوشش اور تازہ بتازہ شرارتیں جن کی وجہ سے سب سلطنتیں ان کی ریشہ دوانیوں سے تنگ آ چکی ہیں اور ملک بدر کرنا چاہتی ہیں، جیسے ہٹلر نے ان کو جرمنی سے نکالا اور لاکھوں قتل بھی کیے، روس وغیرہ بھی ان کو ملک بدر

کرنا چاہتے ہیں تو سب نے مل کر ان کی ریاست بنادی کہ اس تجویز سے ہمارے ملکوں سے بخوشی نکل کر فلسطین میں جمع ہو جائیں گے۔ بہر حال ان کی شرارتیں اور سازشیں بالکل بے نقاب ہیں، یہ اس آیت کی تیسری صداقت ہے۔ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا [مرجع سابق] پھر سورۃ بنی اسرائیل میں ہے: وَ اِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا [بنی اسرائیل، ۱۷:۸] اگر تم (اے یہودیو!) پھر پہلے جیسی شرارتوں کی طرف لوٹے جو تم نے اپنی سابقہ حکومتوں کے وقت میں کی تھیں، تو ہم بھی لوٹیں گے اور پہلے کی طرح تمہیں ذلیل وخوار کریں گے۔

اس سے بھی نمایاں طور پر مترشح ہوتا ہے کہ یہودی دنیاوی اقتدار اور طاقت وسلطنت حاصل کر سکتے ہیں۔ اتنے ارشادات کے ہوتے ہوئے یہ طعنہ کس طرح دیا جا سکتا ہے، معاذ اللہ کہ اللہ تعالیٰ کی خبر غلط ہوگئی۔ [نعیمی، فتاویٰ نوریہ، ۵/ ۱۹۵-۱۹۶]

رہے سائل کے وہ تین سوال جو اس آیت لَنْ یَّضُرُّوْکُمْ اِلَّآ اَذًی ط وَ اِنْ یُّقَاتِلُوْکُمْ یُوَلُّوْکُمُ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ [آل عمران، ۳:۱۱۱] سے کیے گئے ہیں، وہ بے بنیاد اور کھوکھلے ہیں۔ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے:

> ''تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے مگر یہی ستانا اور اگر تم سے لڑیں تو تمہارے سامنے سے پیٹھ پھیر جائیں گے پھر ان کی مدد نہ ہوگی'' ---

یہ آیت تو خطاب ہے ان صحابہ کرام سے جو یہودِ مدینہ میں سے مسلمان ہو گئے تھے۔ جیسے حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ تو اس پر مدینہ کے یہودیوں نے اپنی دولت وقوت وفوج کی بنا پر ان نومسلموں کو دھمکیاں دینا شروع کر دیں تو ان کی تسلی کے لیے فرمایا کہ وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے مگر یہی ستانا اور اگر تم سے لڑیں گے تو تمہارے سامنے سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر ان کی مدد نہ ہوگی۔ یہ سب کچھ اللہ کے فضل وکرم سے حرف بحرف صحیح ہے اور واقع ہو چکا ہے۔ [نعیمی، فتاویٰ نوریہ، ۵/۱۹۶]

الحاصل! یہ ان نومسلم صحابہ کرام اور ان یہودیوں کے متعلق ہے جو اس وقت مدینہ منورہ میں تھے۔ یہ نہیں کہ قیامت تک ہونے والے تمام اہلِ اسلام اور دنیا بھر کے یہودیوں کے متعلق ہو جو قیامت تک ہونے والے ہیں۔ اس میں عموم کا ایک کلمہ بھی نہیں لَنْ یَّضُرُّوْکُمْ، اِنْ یُّقَاتِلُوْ، یُوَلُّوْا، لَا یُنْصَرُوْنَ کی ضمیروں سے مراد وہی مدینہ منورہ کے یہودی ہیں اور جمع مخاطب کی ضمیر ''کُمْ'' جو اس آیت میں تین بار ہے، وہ صرف ان نومسلم صحابہ سے

خطاب ہے جن کو وہ ڈراتے دھمکاتے تھے۔ بلکہ اگر سب صحابہ کرام علیہم الرضوان کو بھی خطاب عام ہو تب بھی کوئی اعتراض نہیں کہ مدینہ منورہ کے یہودی بلکہ روئے زمین کے یہود صحابہ کرام کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے اور صحابہ کرام سے جنگ بھی نہیں کر سکے۔ البتہ خیبر کے یہودیوں سے مقابلہ ہوا تو وہ مار کھا گئے اور ان کی مدد بھی نہ ہوئی۔ [مرجع سابق، ۵/۱۹۷]

بلکہ اگر یہ دعویٰ بھی کیا جائے کہ اس آیت کا خطاب ہر زمانے کے مسلمانوں کے لیے ہے تو پھر بھی کوئی اعتراض نہیں کیونکہ دوسری آیات سے اہلِ اسلام کی فتح و نصرت اور امداد کی جو شرطیں ہیں ان کا لحاظ بھی نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

وَ أَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ إِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ --- [آل عمرٰن، ۳:۱۳۹]

''اور تم ہی غالب آؤ گے اگر کامل ایمان رکھتے ہو'' ---

نیز ارشاد ہوا:

وَ إِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُھُمْ شَیْئًا --- [مرجع سابق، ۳:۱۲۰]

''اور اگر تم صبر کرو اور پرہیز گاری کیے رہو تو ان کا داؤ تمہارا کچھ نہیں بگاڑے گا'' ---

نیز ارشاد فرمایا:

وَ أَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْھَبَ رِیْحُکُمْ وَ اصْبِرُوْا إِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ --- [الانفال، ۸:۴۶]

''اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور آپس میں جھگڑو نہیں کہ پھر بزدلی کرو گے اور تمہاری بندھی ہوئی ہوا جاتی رہے گی اور صبر کرو، بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے'' ---

چنانچہ غزوۂ احد شریف میں جو قریشِ مکہ سے ہوا، اس میں صحابہ کرام فتح حاصل کر چکے تھے اور مالِ غنیمت جمع کر رہے تھے کہ بعض صاحبوں سے غلطی ہو گئی۔ آپس میں جھگڑا کیا اور ایک حکم کی نافرمانی سرزد ہوئی تو وہ فتح شکست کے ساتھ بدل گئی۔ جس کا بیان یوں فرمایا:

حَتّٰی إِذَا فَشِلْتُمْ وَ تَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَ عَصَیْتُمْ --- [آل عمرٰن، ۳:۱۵۲]

تو اگر مسلمان ان شرائط کو پورا کریں، یعنی صحابہ کرام کی طرح کامل الایمان بنیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے تمام احکامات بجالائیں، متحد ہو کر سب جھگڑے ختم کر دیں، صبر

اور پرہیزگاری اختیار کریں تو صرف یہودی ہی کیا دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔[نعیمی، فتاویٰ نوریہ، ۵/ ۱۹۸]

قرآنِ کریم میں فرمایا:

وَ تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاس---[آل عمرٰن،۳:۱۴۰]

''اور یہ دن ہیں جن مَیں ہم نے لوگوں کے لیے باریاں رکھی ہیں''---

یعنی کبھی کسی کی باری اور غلبہ ہوتا ہے اور کبھی کسی کی باری اور غلبہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کاموں میں اس کی پوشیدہ حکمتیں ہوتی ہیں۔ اگر کسی وقت اہلِ اسلام کی غفلت اور بدعملی کی وجہ سے بطورِ سزا شکست ہوجائے اور علاقے چھن جائیں اور غیروں کا غلبہ ہوجائے تو سب کچھ قرآنِ کریم کے واضح احکامات اور غیبی خبروں کی تصدیقات ہیں۔

[نعیمی، فتاویٰ نوریہ، ۵/ ۱۹۸]

مسائل مستنبطہ

① یہ نظریہ درست نہیں کہ دنیا میں کسی جگہ یہودیوں کی حکومت قائم نہیں ہوسکتی۔

② یہودیوں کا ذلت و مسکنت سے اللہ کی رسی کی وجہ سے مامون ہونے کا مطلب کہ وہ مسلمان ہوجائیں۔

③ لوگوں کی رسی کی وجہ سے مامون ہونے کا مطلب کہ وہ ان سے عہد و پیمان کرلیں، کافر حکومتوں سے مدد کی بھیک مانگیں یا اسلامی حکومت کے ذمی بن جائیں۔

④ فلسطین کے علاقے میں یہودی حکومت کا قیام، صداقتِ قرآن کے خلاف نہیں بلکہ بِحَبْلٍ مِّنَ النَّاس کی صداقت کا مصداق ہے۔

⑤ یہودیوں کا جنگ کی آگ بھڑکانا، ان کے طاقت ور ہونے، سلطنت کا مالک ہونے کو ظاہر کرتا ہے، جو كُلَّمَاۤ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ کی صداقت کو ظاہر کرتا ہے۔

⑥ یہودیوں کا جنگ شروع کرنے کے بعد مجبوراً بند کرنا اس آیت اَطْفَاَهَا اللّٰهُ کی دوسری صداقت ہے کہ اقوام متحدہ درمیان میں آٹپکتی ہے۔

⑦ یہود کی سازشیں اور شرارتیں اس آیت وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا کی تیسری صداقت ہے جو وہ اسلامی ممالک کے خلاف بالخصوص کرتے رہتے ہیں۔

⑧ وَ اِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا بھی یہود کے اقتدار و سلطنت کے حاصل کر لینے کی طرف

اشارہ ہے۔

⑨ لَنۡ یَّضُرُّوۡکُمۡ اِلَّاۤ اَذًی والی آیت کا تعلق صحابہ کرام علیہم الرضوان اور حضور ﷺ کے زمانہ کے یہود مدینہ سے ہے، نہ کہ قیامت تک کے اہلِ اسلام سے، یہ پیشین گوئی حرف بحرف ثابت ہو چکی ہے۔

⑩ آیتِ مذکورہ کا خطاب اگر ہر دور کے مسلمانوں کے لیے بھی ہو تو کوئی اعتراض نہیں کیونکہ اللہ پاک نے امداد و نصرت کا وعدہ کامل ایمان، صبر، تقویٰ، اتحاد اور اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کے ساتھ مشروط کیا ہے۔

⑪ وَتِلۡكَ الۡاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیۡنَ النَّاسِ میں بھی یہود اور غیروں کے غلبے کی طرف اشارہ موجود ہے۔

اُسلُوب: جملہ مسائل کو آیاتِ قرآنیہ سے استنباط کیا گیا ہے۔

✧✧✧✧✧

سفرِ مقدس

جانشین حضور سیدی فقیہ اعظم حضرت صاحبزادہ مفتی محمد محبّ اللہ نوری مدظلہ العالی ۲۸ر فروری ۲۰۲۴ء کو بصیر پور شریف سے مدینہ طیبہ روانگی کے لیے عازم سفر ہوئے، کراچی کے احباب کی دعوت پر خلیل احمد نوری بھٹی کے ہاں محفل میلاد اور جامعہ اسلامیہ امیر حمزہ، گلستانِ جوہر کراچی کے سالانہ اجلاس دستارِ فضیلت میں شرکت فرمائی اور جمعہ کا خطبہ ارشاد فرمایا--- ۲ر مارچ ۲۰۲۴ء کو کراچی سے بذریعہ فلائی دبئ ڈائریکٹ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے--- رمضان المبارک کا نصف اوّل حجازِ مقدس میں گزارنے کے بعد ۲۵ر مارچ ۲۰۲۴ء کو مدینہ منورہ سے فیصل آباد واپسی ہوئی--- پیرزادہ محمد سعد اللہ نوری، صاحبزادہ محمد فیض المصطفیٰ نوری اور مولانا مفتی محمد اصغر نوری (جڑانوالا) رفقاء سفر تھے--- الحمد للہ رب العلمین

[ادارہ]

❀❀❀❀❀

مشہور مصرے

(مکمل شعر اور شاعر کا نام)

ظفر صابری (فیس بک پیج)

وہ اشعار جن کا دوسرا مصرع ضرب المثل کی حد تک مشہور ہوا جب کہ پہلا مصرع وقت کی دھول میں کہیں کھو گیا:

ہم طالبِ شہرت ہیں ہمیں ننگ سے کیا کام
بدنام جو ہوں گے تو کیا نام نہ ہو گا
[مصطفیٰ خان شیفتہ]

گلہ کیسا حسینوں سے بھلا نازک ادائی کا
خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آ ہی جاتی ہے
[سرور عالم راز سرور]

داورِ حشر میرا نامہ اعمال نہ دیکھ
اس میں کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں
[ایم ڈی تاثیر]

میں کس کے ہاتھ پہ اپنا لہو تلاش کروں
تمام شہر نے پہنے ہوئے ہیں دستانے
[مصطفیٰ زیدی]

قیس جنگل میں اکیلا ہے مجھے جانے دو — خوب گزرے گی جومل بیٹھیں گے دیوانے دو

[میاں داد خان سیاح]

غم و غصہ اور رنج و اندوہ و حرماں — ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے

[حیدر علی آتش]

مریضِ عشق پہ رحمت خدا کی — مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

[نا معلوم]

آخر ِگل اپنی صرفِ میکدہ ہوئی — پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

[مرزا جواں بخت جہاں دار]

بہت جی خوش ہوا حالی سے مل کر — ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

[مولانا الطاف حسین حالی]

نہ جانا کہ دنیا سے جاتا ہے کوئی — بہت دیر کی مہرباں آتے آتے

[داغ دہلوی]

نہ گورِ سکندر نہ ہے قبرِ دارا — مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

[حیدر علی آتش]

غیروں سے کہا تم نے، غیروں سے سنا تم نے — کچھ ہم سے کہا ہوتا کچھ ہم سے سنا ہوتا

[چراغ حسن حسرت]

جذبۂ عشق سلامت ہے تو ان شاء اللہ — کچے دھاگے سے چلیں آئیں گے سرکار بندھے

[ان شاء اللہ خان انشاء]

قریب ہے یارو روزِ محشر، چھپے گا کشتوں کا خون کیوں کر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر، لہو پکارے گا آستین کا

[امیر مینائی]

پھول تو دو دن بہارِ جاں فزا دکھلا گئے — حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

[شیخ ابراہیم ذوق]

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

[مرزا غالب]

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

[داغ دہلوی]

چل ساتھ کہ حسرت دلِ مرحوم سے نکلے عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

[فدوی لاہوری]

مکتبِ عشق کا دستور نرالا دیکھا اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

[میر طاہر علی رضوی]

لائے اس بت کو التجا کر کے کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

[پنڈت دیال شنکر نسیم لکھنوی]

اندازِ بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے شاید کہ اتر جائے ترے دل میں میری بات

[علامہ اقبال]

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

[علامہ اقبال]

اب اداس پھرتے ہو، سردیوں کی شاموں میں اس طرح تو ہوتا ہے، اس طرح کے کاموں میں

[شعیب بن عزیز]

جگنو کو دن کے وقت پرکھنے کی ضد کریں بچے ہمارے عہد کے چالاک ہو گئے

[پروین شاکر]

برباد گلستاں کرنے کو، بس ایک ہی الو کافی تھا ہر شاخ پہ الو بیٹھا ہے، انجامِ گلستاں کیا ہوگا

[شوق بہرائچی]

ادائے خاص سے غالبؔ ہوا ہے نکتہ سرا صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

[مرزا غالب]

❀❀❀❀❀

ماضی، حال اور مستقبل

مولانا آفتاب احمد رضوی

انسان کی زندگی ماضی، حال اور مستقبل سے عبارت ہے۔ ماضی بنیاد، حال دیواریں اور مستقبل کو چھت کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ یا ماضی جڑیں، حال درخت اور مستقبل کو پھل کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ ہر ایک دور کی اپنی اہمیت وافادیت مسلم ہے۔ اپنی حیات کی کائنات سجانے اور بسانے کے لیے تینوں یکساں ضروری ہیں۔ انسان کی زندگی کا ہر پل ایک امانت ہے۔ ماضی گویا کہ ایک تجربہ گاہ ہے، حال پلاننگ اور منصوبہ بندی کی آماجگاہ ہے، مستقبل اپنے خوابوں کی تعبیر ہے۔ دنیائے ہست و بود پر نظر ڈالیں، اقوام کی زندگی ہو یا افراد کی۔ اپنے دامن میں کامیابیوں اور ناکامیوں کی ایک داستان رکھتی ہے۔ زندگی کے یہ تین مراحل اجتماعی اور انفرادی حیات کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ کسی ایک مرحلہ زندگی سے چشم پوشی ناقابلِ تلافی نقصان ہے، جب کہ آج اکثریت ماضی سے اعراض کرتی نظر آرہی ہے۔ دانش ور اور سکالر کہلانے والے ماضی سے کٹے اور ہٹے ہوئے ہیں۔ محض کرنٹ افیئر اور حال کی

گتھیوں میں مصروف ہیں۔ان کے نزدیک ماضی اندھا کنواں ہے یا راکھ کا ڈھیر ہے:

یادِ ماضی عذاب ہے یا رب　　　چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے۔حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس حقیقت کو اپنے الفاظ میں یوں بیان فرمایا:

یادِ عہد رفتہ میری خاک کو اکسیر ہے　　　میرا ماضی میرے استقبال کی تفسیر ہے

ایک بے مقصد انسان کی زندگی رائیگاں جا سکتی ہے۔اس کے شب و روز شیطان اور ہوسِ نفس کی بھینٹ چڑھ سکتے ہیں اور محض خواہشات کا پجاری ماضی کی عظیم دولت کو برباد کر سکتا ہے، حالانکہ اگر بغور دیکھیں تو ماضی، مستقبل کی تصویر ہے اور مستقبل، ماضی کی تعبیر ہے:

سرزند از ماضی تو حال تو　　　خیزد از حال تو استقبال تو

مشکن ار خواہی حیاتِ لازوال　　　رشتۂ ماضی ز استقبال و حال

تیرے حال کی کونپلیں ماضی سے پھوٹتی ہیں، حال سے تیرا مستقبل طلوع ہوتا ہے، اگر تو لازوال زندگی چاہتا ہے تو حال اور مستقبل سے ماضی کا رشتہ نہ توڑ۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۝---[الحشر،۵۹:۱۸]

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر جان دیکھے کہ کل کے لیے کیا آگے بھیجا اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے“---

اللہ کریم جل شانہٗ بطورِ خاص ایمان والوں کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم ارشاد فرماتا ہے اور پھر متنبہ فرماتا ہے کہ ہر جان یہ دیکھے کہ اس نے کل کے لیے کیا بھیج رکھا ہے۔یہ اتنا واضح اور غیر مبہم انداز بیان ہے کہ معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا بھی اس کی تہہ تک پہنچ سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارا مستقبل آخرت ہے، زندگی بھر کے کیے کرائے کا بدلہ حشر میں ملے گا، اس لیے شب و روز اپنا محاسبہ ضروری ہے۔بندہ اپنے اعمال کے ترازو میں خود کو ہمہ وقت تولتا رہے اور دیکھتا رہے کہ آخرت کے لیے اس نے اپنے ذخیرۂ عمل میں کیا جمع کر رکھا ہے اور یہ تب ممکن ہے جب ہم ماضی، حال اور مستقبل سب کو منظّم کریں اور اعمال کی پونجی پر توجہ دیں۔جیسے اعمالِ خیر کا بدلہ ثواب کی شکل میں ملتا ہے، ویسے برے اعمال کا بدلہ

گناہ اور سزا کی شکل میں ملے گا۔ اللہ کریم جل شانہ نے ارشاد فرمایا:

سَیَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْکَذَّابُ الْاَشِرُo---[القمر،۵۴: ۲۶]

''بہت جلد کل جان جائیں گے کون تھا بڑا جھوٹا اترونا (شیخی باز، متکبر)''---

بندۂ مومن کے لیے یہ دنیا کھیل تماشہ نہیں ہے، لہوولعب نہیں ہے، بلکہ عرصہ حیات کے تمام حرکات وسکنات محسوب ہیں۔ ماضی اور حال کی کوششوں اور کاوشوں سے کل کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ شیخیاں بگھارنے والوں کا آئندہ کل ماضی اور حال کے غلط استعمال سے تباہ و برباد ہو گا۔

یہ گھڑی محشر کی ہے ، تُو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل ، عمل کوئی اگر دفتر میں ہے!

زندگی جو کہ ماضی، حال اور مستقبل سے عبارت ہے۔ اس کی اہمیت و افادیت سے اکثریت بے خبر ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

برتر از اندیشۂ سُود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی
تُو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں ، پیہم دواں ، ہر دم جواں ہے زندگی

شاعرِ مشرق نے آخری جملے میں حد کر دی، فرمایا، یہ زندگی جاوداں ہے، ہمیشہ رواں دواں ہے اور ہر دم جواں ہے۔ اور یہ تب ممکن ہے جب زندگی کے سارے لمحات بروئے کار لائے جائیں۔ انسان کائناتِ رنگ وبو میں بے لگام یا آوارہ بن کر نہیں آیا، بلکہ حدود و قیود اور اصول وضوابط کا پابند بنا کر بھیجا گیا ہے۔ جنت کی عظیم نعمتیں ان لوگوں کا حصہ ہوں گی، جنھوں نے زندگی کے گزرے ہوئے دنوں میں ان نعمتوں کو کمایا ہوگا۔

کُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِیْٓـًٔا بِمَاۤ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِo---[الحاقۃ،۶۹: ۲۴]

''کھاؤ اور پیو رچتا ہوا صلہ اس کا جو تم نے گزرے دنوں میں آگے بھیجا''---

زندگی کے لمحات میں خوابِ غفلت سونے والے کفِ افسوس ملتے ہی رہ جائیں گے، حق سے اعراض کرنے والے اور حقائق سے پہلو تہی کرنے والے ایسے عذاب میں جھونک دیے جائیں گے جہاں ان کا کوئی حامی اور مددگار نہ ہوگا۔

أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَ جَاءَكُمُ النَّذِيرُ ط
فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍo---[فاطر،۳۵:۳۷]

''اور کیا ہم نے تمہیں وہ عمر نہ دی تھی جس میں سمجھ لیتا جسے سمجھنا ہوتا اور ڈر سنانے والا تمہارے پاس تشریف لایا تھا، تو اب چکھو کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں''---

زندگی کی ہر گھڑی بیش قیمت ہے، ماضی ہو یا حال یا مستقبل، جس نے ماضی گوایا، نہ اس کا حال رہا، نہ مستقبل۔ کیا وقت کی یہ قدر و قیمت کم ہے کہ رب کریم وَ الْعَصْر فرما کر وقت کو، زمانے کو، ماضی، مستقبل اور حال کو قسم سے یاد فرمائے۔ اور پھر واضح کر دیا کہ انسان خسارے میں ہے۔ کلام کا انداز بتا رہا ہے کہ وقت کے استعمال کے حوالے سے انسان کا خسارہ بہت بڑا ہے۔ چونکہ انسان کے پاس اصل پونجی وقت ہے، وہ وقت میں کچھ بھی کر سکتا ہے۔ اگر غافل رہا تو اس سے بڑا خسارہ نہیں۔

وَ الْعَصْرِo إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍo---[العصر،۱۰۳:۱-۲]

''اس زمانہ محبوب کی قسم! بے شک آدمی ضرور نقصان میں ہے''---

فراغت اور تندرستی بے شک بہت بڑی نعمتیں ہیں، ان کے غلط استعمال سے انسان اپنی تباہی کا سامان کر رہا ہوتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا اور لوگوں کو متنبہ اور متوجہ فرما دیا۔ ارشاد فرمایا:

نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ : الصِّحَّةُ وَ الْفَرَاغُ---
[صحیح بخاری، کتاب الرقاق، رقم الحدیث:۶۰۴۹]

''دو نعمتیں ہیں کہ اکثر لوگ ان کے حوالے سے گھاٹے اور نقصان میں ہیں: صحت اور تندرستی''---

حضور نبی مکرم ﷺ کا فرمان اس حوالے سے نہایت اہم ہے۔ ارشاد فرمایا:

لَا تَزُولُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ عُمُرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ، وَ عَنْ عِلْمِهِ فِيمَ فَعَلَ، وَ عَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَ فِيمَ أَنْفَقَهُ، وَ عَنْ جِسْمِهِ فِيمَ أَبْلَاهُ---[سنن ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، رقم الحدیث:۲۴۱۷]

''قیامت کے دن کسی بندے کے دونوں پاؤں نہیں ہٹیں گے یہاں تک کہ

اس سے یہ نہ پوچھ لیا جائے: اس کی عمر کے بارے میں کہ اسے کن کاموں میں ختم کیا، اور اس کے علم کے بارے میں کہ اس پر کیا عمل کیا اور اس کے مال کے بارے میں کہ اسے کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا، اور اس کے جسم کے بارے میں کہ اسے کہاں استعمال کیا'' ---

ایک اور مقام پہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنْ قَامَتِ السَّاعَةُ وَ بِيَدِ أَحَدِكُمْ فَسِيلَةٌ ، فَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ لَّا يَقُومَ حَتّٰى يَغْرِسَهَا فَلْيَفْعَلْ --- [احمد بن حنبل، رقم الحدیث:١٣٠١١]

''اگر قیامت قائم ہو جائے اور تم میں سے کسی ایک کے ہاتھ میں کھجور کا چھوٹا پودا ہو، اگر وہ کھڑا ہونے سے پہلے اسے لگا سکتا ہو تو وہ ضرور ایسا کرے'' ---

حضرت مَعقل بن یَسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اولادِ آدم پر ہر نیا آنے والا دن (اسے مخاطب ہو کر) کہتا ہے: اے ابن آدم! میں نئی مخلوق ہوں، میں کل (یوم قیامت) تمہارے عمل کی گواہی دوں گا، پس تم مجھ میں عمل خیر کرنا کہ میں کل تمہارے حق میں اسی کی گواہی دوں، اگر میں گزر گیا تو پھر تم مجھے کبھی بھی دیکھ نہیں سکو گے، آپ ﷺ نے فرمایا: اسی طرح کے کلمات رات بھی دہراتی ہے'' --- [حلیة الأولیاء، ص٢، ج٣٠٣]

اتنے واضح فرامین اور ارشادات جاننے کے بعد بھی اگر کوئی مسلمان غفلت کا مظاہرہ کرے اور اپنے شب و روز کو کھیل کود، فضول گپ شپ، کھانے پینے، سیر و سیاحت، گھومنے پھرنے، آوارہ گردی اور سونے میں گزار دے تو اس پر سوائے حیف کے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

حضور نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ : شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ ، وَ صِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ ، وَ غِنَاءَكَ قَبْلَ فَقْرِكَ ، وَ فَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ ، وَ حَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ --- [المستدرک، رقم الحدیث:٧٨٤٦]

''پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو: بڑھاپے سے پہلے جوانی کو، بیماری سے پہلے صحت کو، محتاجی سے پہلے تونگری کو، مصروفیت سے پہلے

فراغت کواور موت سے پہلے زندگی کو‘‘---

حضرت ابودَرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ابْنُ آدَمَ : إِنَّمَا أَنْتَ أَيَّامٌ كُلَّمَا ذَهَبَ يَوْمٌ ، ذَهَبَ بَعْضُكَ---[بیہقی ، شعب الإيمان،رقم ۷۸۴۶]

’’اے ابنِ آدم! تو ایام کا مجموعہ ہے، پس جب (تیرا) کوئی دن گزر جاتا ہے تو تیرا کچھ حصہ چلا جاتا ہے‘‘---

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا،کوئی دن ایسانہیں جو دنیا میں آئے اور وہ یہ ندا نہ کرے:

’’اے ابنِ آدم! میں تیرے ہاں جدید مخلوق ہوں، آج تو مجھ میں کل قیامت کے دن اس کی گواہی دوں گا ،تو مجھ میں نیکی کرتا کہ میں تیرے لیے کل قیامت میں نیکی کی گواہی دوں، میرے چلے جانے کے بعد تو کبھی مجھے نہ دیکھے گا‘‘---

[حلیۃ الاولیاء،حدیث ۲۵]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وقت ضائع کرنے والوں کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

’’روزانہ صبح جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اُس وقت ’’دن‘‘ یہ اعلان کرتا ہے: اگر آج کوئی اچھا کام کرنا ہے تو کرلو کہ آج کے بعد میں کبھی پلٹ کر نہیں آ ؤں گا‘‘---

[شُعَبُ الْاِیْمَان،حدیث: ۳۸۴۰]

بہرحال ہم انفرادی اور اجتماعی طور پر اضمحلال اور زبوں حالی کا شکار ہیں، ہر گزرتا دن تنزلی کی علامت بن کر آتا ہے۔من حیث القوم اسلاف کے طرزِ عمل سے ہٹ چکے ہیں اور عالم اسلام گوناگوں مشکلات سے دوچار ہے۔ضرورت اس امر کی ہے، اسلام کے آفاقی اصولوں کو عملاً اپنایا جائے، اسلاف کے نقشِ قدم کو حرزِ جاں بنایا جائے۔ ماضی سے سبق سیکھ کر مستقبل کی منصوبہ بندی کی جائے اور اقوام عالم میں اپنی گرتی ہوئی ساکھ کو سہارا دیا جائے۔

اب ترا دور بھی آنے کو ہے اے فقرِ غیور
کھا گئی روحِ فرنگی کو ہوائے زر و سیم

✧✧✧✧✧

اقبالیات

علامہ اقبال کے عسکری اور جہادی افکار

پروفیسر عبدالجبار شاکر

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ (نومبر ۱۸۷۷ء- اپریل ۱۹۳۸ء) برصغیر کی ملتِ اسلامیہ کے سب سے عظیم مفکراور شاعرِ اسلام ہیں۔انھوں نے انیسویں صدی عیسوی کے ربع آخر کے جس ماحول میں آنکھ کھولی، اسلامی ممالک بہت حد تک استعماری قوتوں کے نخچیر بن چکے تھے۔ ترکانِ عثمانی اپنی بقا کی جدوجہد میں مصروفِ کار تھے، مگر بالآخر وہ بھی جنگِ عظیم اوّل کے بعد اپنی آزادی کو برقرار نہ رکھ سکے اور یوں مسلم اتحاد کی سیاسی زنجیر کی آخری کڑی بھی اپنے ضعف کے باعث ٹوٹ گئی:

اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا
نوا پیرا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے
کبوتر کے تنِ نازک میں شاہین کا جگر پیدا

عالمِ اسلام اور ملتِ اسلامیہ کی اس صورت حال کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اقبال نے جس مخصوص اسلوب اور تجزیے کے بعد راہِ عمل تجویز کی، اس کی تفصیلات ''اسرارِ خودی''

(۱۹۱۵ء) اور ''رموزِ بے خودی'' (۱۹۱۸ء) میں نمایاں طور پر دیکھی جا سکتی ہیں۔ انھوں نے غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے مسلمانوں میں حریت، بیداری اور جہاد کی فکر پیدا کرنے کے لیے اپنے مخصوص اور منفرد انداز میں خودی اور بے خودی کے تصور کو پیش کیا۔ احساسِ خودی کے ذریعے وہ فرد کو مخاطب کرتے ہیں اور اس میں ایمان و عمل کی سرشاری پیدا کرتے ہیں۔ تصورِ بے خودی میں وہ فرد سے آگے بڑھ کر کتابِ ملتِ بیضا کی شیرازہ بندی کرتے ہیں۔ اسرارِ خودی کی ابتدا ہی میں اقبالؔ یوں گویا ہیں:

ساقیا بر خیز و مے در جام کن　　محو از دل کاوشِ ایام کن
می کند اندیشہ را ہشیار تر　　دیدۂ بیدار را بیدار تر
اعتبارِ کوہ بخشد کاہ را　　قوتِ شیراں دہد روباہ را
خاک او اوجِ ثریا می دہد　　قطرہ را پہنائے دریا می دہد
خامشی را شورشِ محشر کند　　پائے کبک از خونِ باز احمر کند

''اے ساقی! اٹھ اور میرے پیالے میں وہ شراب انڈیل دے جو دل سے زمانے کی تکالیف کو دور کر دے۔ ایسی شراب فکر میں اور تیزی پیدا کر دیتی ہے اور جو آنکھ پہلے ہی بیدار ہو، اُس میں مزید بیداری پیدا کر دیتی ہے۔ یہ تنکوں کو پہاڑ کا وقار عطا کرتی ہے اور لومڑی کو شیروں کی طاقت بخشتی ہے۔ اس کی خاک کو ثریا کی بلندی بخشتی ہے اور قطرے کو سمندر کی وسعت دیتی ہے۔ یہ خاموشی کو قیامت کے شور میں بدل دیتی ہے اور چکور کے پنجے کو باز سے لڑا دیتی ہے''---

یوں ''اسرارِ رموز'' کا مطالعہ کریں تو اس کا مجموعی تاثر فرد کو غلامانہ ذہنیت سے چھٹکارا دلا کر اس میں ایک نشۂ جہاد پیدا کرنا ہے اور اسے عزم و یقین کی دولت سے مالا مال کرنا ہے۔ فکرِ اقبال کی اس عسکریت اور جہادی روح کا یہ نتیجہ نکلا کہ جنگِ عظیم دوم کے بعد مسلمانوں نے غلامی کی زنجیروں کو توڑ ڈالا اور پھر مراکش سے ملائیشیا تک آزادی کی ایک لہر پیدا ہو گئی جس کے لیے اقبالؔ نے بجا طور پر یہ پیغام دیا تھا:

خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تُو، زباں تُو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تُو ہے

پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تُو ہے
یہ نکتہ سرگزشتِ ملتِ بیضا سے ہے پیدا
کہ اقوامِ زمینِ ایشیا کا پاسباں تُو ہے

●●●

سبق پڑھ پھر صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

علامہ اقبالؔ کی شعری اور نثری تخلیقات کا بالاستیعاب مطالعہ کریں تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ وہ مسلمانوں کے عروقِ مردہ میں تازہ خون کی گردش دیکھنا چاہتے ہیں۔انھوں نے قرآنِ مجید کا جس گہرائی سے مطالعہ کیا اور پیغمبرِ اسلام ﷺ سے جس محبت وعقیدت کا والہانہ اظہار کیا ہے، اس کے باعث وہ اس رمز سے آشنا ہو چکے تھے کہ مسلمان کی زندگی اعلائے کلمۃ الحق اور غلبہء دین کے لیے ہے جس کے لیے جہاد فی سبیل اللہ کا شعور ناگزیر ہے۔ یہ جہاد اپنے اوّل قدم پر دعوتی، علمی، لسانی، مالی اور قلمی نوعیت کا ہے، مگر اس کا ایک پہلو جانی بھی ہے جس کا منتہیٰ شہادت ہے۔

آپ ﷺ کی بعثت و نبوت کے ابتدائی تیرہ (۱۳) برس مکہ مکرمہ میں گزرے، ان برسوں میں جہاد کی نوعیت دعوتی اور تبلیغی ہے اور جہاد باللسان، جہاد بالمال اور جہاد بالنفس کی صورتیں سامنے آتی ہیں۔مگر جب ہجرت کے بعد آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے جاتے ہیں تو پھر فتنے کی سرکوبی اور نوزائیدہ اسلامی ریاست کے دفاع کے لیے مختلف قسم کے دفاعی، انتظامی، جنگی اور عسکری انتظامات بھی کیے۔

اسلامی ریاست کے استحکام اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے کی جانے والی جدوجہد، خواہ اس کا تعلق کسی بھی پہلو سے ہو، جہاد کہلائے گی۔کیا تاریخ عالم میں مسلمانوں کے علاوہ کوئی ایسی تہذیب موجود ہے جس کے ہاں تعلیم و تدریس، تزکیہءنفس اور زیردستوں، غلاموں اور محروموں کی مدد کو بھی جہاد قرار دیا گیا ہو۔اسلام میں تلوار اور تیروتفنگ کا استعمال محض جوع الارض اور مالِ غنیمت حاصل کرنے کی غرض سے نہیں، بلکہ ریاستی استحکام، دعوتی نظام اور امنِ عام کے برقرار رکھنے کے لیے ہے۔

اقبالؔ کتاب وسنت کے گہرے اِدراک کے باعث جہاد وقتال کی تمام ضرورتوں کو بخوبی سمجھتے تھے اوراس کا اظہاران کی نظم ونثر ہردو میں ہوا ہے۔ان کے مجموعۂ کلام ’’بالِ جبریل‘‘ میں ’’طارق کی دعا......اندلس کے میدانِ جنگ میں‘‘ کا پہلا بند لائقِ توجہ ہے:

یہ غازی یہ تیرے پُراسرار بندے جنھیں تُو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دونیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو عجب چیز ہے لذتِ آشنائی
شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن نہ مالِ غنیمت ، نہ کشور کشائی

خیاباں میں ہے منتظر لالہ کب سے
قبا چاہیے اس کو خونِ عرب سے

عسکری مہمات اور جہادی معرکوں میں ایک مردِ مجاہد کی سوچ کیا ہوسکتی ہے اور وہ اپنے مقاصد کی بازآفرینی کے لیے کیسے جذبات کا اظہار کرتا ہے،اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے کیسا راستہ انتخاب کرتا ہے کہ اسے واپسی کے اسباب ووسائل کو ضائع کرنے میں بھی کوئی دریغ نہیں ہوتا۔علامہ اقبالؔ نے ان عزائم کی تصویر کشی اپنے ایک مختصر فارسی قطعہ میں یوں کی ہے:

طارق چو بر کنارۂ اندلس سفینہ سوخت گفتند کارِ تو بہ نگاہِ خرد خطاست
دوریم از سوادِ وطن باز چوں رسیم؟ ترکِ سبب زروئے شریعت کجا رواست
خندید و دستِ خویش بہ شمشیر برد و گفت ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست

’’طارق نے جب ساحلِ اندلس پر اپنی کشتیاں جلا ڈالیں تو اس کے ہمراہیوں نے کہا کہ تیرا یہ کام عقل وشعور کے لحاظ سے غلط ہے۔ہم اپنے وطن کی سرزمین سے بہت دور ہیں، واپس کیسے پہنچیں گے؟ شریعت میں اسباب کو ترک کرنے کی اجازت کہاں ہے؟ طارق مسکرایا اور اس نے اپنا ہاتھ تلوار کے قبضے پر رکھا اور یوں گویا ہوا: ہر ملک ہماری مِلک میں ہے کیوں کہ ہمارے خدا کا ملک ہے‘‘---

اقبال کے نکتہ رس اور نکتہ سنج ذہن میں جہاد کے بارے میں ایک عجیب خیال ملتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پانچ مفاخر خود گنوائے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ میرے لیے تمام روئے زمین کو مسجد اور پاکیزہ بنا دیا گیا ہے، جو جہاں چاہے نماز پڑھ سکتا ہے:

((وَ جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّ طَھُوْرًا، فَأَیُّمَا رَجُلٍ مِّنْ أُمَّتِیْ أَدْرَکَتْهُ الصَّلَاۃُ فَلْیُصَلِّ))---[صحیح بخاری، رقم:۴۳۸/صحیح مسلم، رقم:۵۲۱]

اقبال بجا طور پر سمجھتے ہیں کہ روئے زمین اگر مسجد کی طرح پاکیزہ ہے تو پھر اس پر کسی ناپاک اور نجس آدمی کا قبضہ یا غلبہ نہیں ہونا چاہیے۔ یوں انھوں نے قرآنِ مجید کی ان تمام آیات کی ایک عملی تفسیر بھی بیان کر دی ہے کہ غلبۂ اسلام سے کیا مراد ہے؟ مسجد امن اور عبادت کا مرکز ہے لٰہذا امنِ عالم کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ روئے زمین کو حقیقتاً مسجد کا درجہ مل جائے۔ اس مقصد کے لیے مسلمانوں پر جہاد لازم ہے اور انھیں اپنی صفوں میں ایک ترتیب اور تنظیم قائم کرنا چاہیے، جس کا بہترین نقشہ اور اسوہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ سے ملتا ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

مومناں را گفت آں سلطانِ دیں ۔۔۔ مسجد من ایں ہمہ روئے زمیں
الاماں از گردشِ نہ آسماں ۔۔۔ مسجدِ مومن بدستِ دیگراں
سخت کوشد بندۂ پاکیزہ کیش ۔۔۔ تا بگیرد مسجدِ مولائے خویش

''رسولِ کریم ﷺ نے مومنوں سے فرمایا کہ میرے لیے تمام روئے زمین کو مسجد بنا دیا گیا ہے۔ نو آسمانوں کو گردش سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے کہ مومن کی مسجد (روئے زمین) دوسروں کے قبضے میں ہے۔ اے پاکیزہ نفس انسان! تجھے سخت جدوجہد کرنا چاہیے، تاکہ تُو اپنے آقا ﷺ کی مسجد حاصل کر سکے''---

علامہ اقبال تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ کے داعی اور مفکر تھے۔ انھوں نے جہاں اپنی انقلابی شاعری میں حرکت و عمل کا پیغام دیا ہے، وہاں اپنے خطبات میں اساسیاتِ اسلام کے فکری اور فلسفیانہ مباحث کے لیے ایک سائنٹفک استدلال وضع کیا ہے۔ وہ قرآنِ مجید کے مطالعہ سے جہاد اور قتال کی تمام تعلیمات اور مراحل سے بخوبی آگاہ تھے۔ ان کے کلام میں حرکت و عمل کا پیغام ہو، یا شر کی قوتوں سے ستیزہ کاری مقصود ہو، یا وہ نوجوان نسل کو شاہین بننے کا پیغام دے رہے ہوں، یا نوجوان نسل کو ان کے شان دار ماضی کی روایات سے آگاہ کر رہے ہوں، ہر جگہ ان کے ہاں پیکار، جدوجہد، حرکت و عمل اور جہاد کی تعلیم ملتی ہے۔ قرآنِ مجید کے مطالعہ سے ہمیں جہاد فی سبیل اللہ اور اس کے مختلف مراحل کا شعور ملتا ہے، جسے اقبال نے

بڑے سلیقے سے اپنی نظم ونثر میں ایک مربوط فکر کے بطور پیش کیا ہے۔

قرآنِ مجید کی ذیل کی منتخب آیات سے وہ فلسفۂ جہاد سمجھ میں آ سکتا ہے، جسے اقبال نے اپنے مخصوص اسلوب میں نظم ونثر، دونوں میں پیش کیا ہے:

- ......''(حق بات یہ ہے کہ) اللہ نے مومنوں سے اُن کی جانیں اور ان کے اموال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں، وہ اللہ کی راہ میں لڑتے اور مارتے اور مرتے ہیں'' --- [التوبۃ:۱۱۱]
- ......''اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے'' --- [الحج:۷۸]
- ......''اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ لڑتے ہیں، گویا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں'' --- [الصّف:۴]
- ......''اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا تو صومعے اور گرجے اور معبد اور مسجدیں جن میں اللہ کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے، مسمار کر دیے جاتے'' --- [الحج:۴۰]
- ......''جن لوگوں سے جنگ کی جا رہی ہے، اُنھیں لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے کیوں کہ ان پر ظلم ہوا ہے اور اللہ ان کی مدد پر یقیناً قدرت رکھتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے بے قصور نکالے گئے ہیں، اُن کا قصور فقط یہ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے'' --- [الحج:۳۹-۴۰]
- ......''(مسلمانو!) تم پر (اللہ کے رستے میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے، وہ تمھیں ناگوار تو ہوگا مگر عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بُری لگے اور وہ تمھارے حق میں بھلی ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمھارے لیے مضر ہو اور (ان باتوں کو) اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے'' --- [البقرۃ:۲۱۶]
- ......''اور جہاں تک ہو سکے (فوج کی جمعیت کے) زور سے اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے ان کے (مقابلے کے) لیے مستعد رہو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں اور تمھارے دشمنوں اور ان کے سوا اور لوگوں پر، جن کو تم نہیں جانتے اور اللہ جانتا ہے، ہیبت بیٹھی رہے گی اور تم جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے، اس کا ثواب تم کو پورا پورا دیا جائے گا اور تمھارا

ذرّہ برابر نقصان نہ کیا جائے گا''---[الانفال:٦٠]

- ......''اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہنا کہ فتنہ وفساد ختم ہو جائے اور (ملک میں) اسی کا دین ہو جائے اور اگر وہ (فساد سے) باز آ جائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں (کرنی چاہیے)''---[البقرة:١٩٣]

قرآنِ مجید کی اور بہت سی آیات میں جہاد کی نوعیت، فرضیت، آداب، شرائط، مقاصد، لوازم اور ثمرات وعواقب سے بحث کی گئی ہے۔ اس طرح کتبِ ستہ میں؛ صحیحین اور سنن کی کتابوں میں 'کتاب الجهاد' اور 'کتاب المغازی' کی فصول میں اس کی فضیلت، آداب، شرائط اور مقاصد کی تفصیل کو بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔ اردو ادبیات میں اس موضوع پر سب سے مدلل اور جامع کتاب سید ابوالاعلیٰ مودودی کی ''الجهاد فی الاسلام'' ہے، جسے علامہ محمد اقبال نے بھی پڑھا اور سنا اور اس کے محتویات اور مندرجات کی تعریف وتحسین کی۔

جہاد عربی زبان کا لفظ ہے، جس کا مادہ ''ج ہ د'' ہے، جو جَهدَ اور جُهدَ (ہ بالفتح و بالکسر) دونوں طرح سے استعمال ہوا ہے۔ جَهدَ کے معنی بہت کوشش کرنے کے ہیں، جب کہ جُهدَ کے معنی کسی کام میں پوری طاقت لگا دینے کے ہیں۔ یوں جہاد کے معنی پوری قوت وطاقت کے ساتھ بھرپور کوشش کرنے کے ہیں۔

اسلامی اصطلاح میں جہاد سے مراد اپنے نفس، شیطان اور کفار کے ساتھ دل، زبان اور ہاتھ سے کام لینا ہے۔ اگر تمام مفاہیم ومطالب کا استقصا کیا جائے تو جہاد کی حدود میں ذاتی اصلاح، معاشرتی تطہیر، عظمتِ دین کی پاسبانی، شریعت کی تقویت وحفاظت، دنیا سے ظلم وستم کا خاتمہ، قیامِ عدل وانصاف، امنِ عامہ کا حصول اور اعلائے کلمۃ الحق سبھی عناصر شامل ہیں۔

ایک روایت کے مطابق اسے جہادِ اصغر اور جہادِ اکبر کی اصطلاح میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ یہ بات غزوۂ تبوک سے واپسی پر کہی گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا:

''تمھیں مبارک ہو کہ تم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف لوٹے ہو''---

جہادِ اصغر اسلامی سلطنت کے اقتدارِ اعلیٰ کے تحفظ، اس کی سرحدوں کے دفاع، امنِ عامہ کے قیام، دہشت گردی کے انسداد اور فتنے کی سرکوبی سے متعلق ہے اور اس کی انتہا شہادت ہے۔ جہادِ اکبر نفسِ امارہ کی تربیت، شیطانی ہتھکنڈوں سے کشمکش اور مادیت کی

ہوس پرستانہ اَقدار سے چھٹکارے کا نام ہے۔

یوں جہادِ اصغر عارضی اور مختلف مواقع کی نسبت سے ہے، جب کہ جہادِ اکبر دائمی ہے، جو﴿وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾[آل عمرٰن:۱۰۲] کا تقاضا کرتا ہے۔

علامہ اقبال کے ہاں جہاد کے بارے میں اوّلین شعری اظہار ''اسرارِ خودی'' (۱۹۱۵ء) میں ہوا ہے، اس کا ایک باب ہے:

''در بیان ایں کہ مقصدِ حیاتِ مسلم اعلائے کلمۃ الحق است و جہاد اگر محرک او جوع الارض باشد در مذہب اسلام حرام است''---

یعنی مسلمان کی زندگی کا مقصد اللہ کے کلمے (دین) کو سر بلند کرنا ہے اور اگر اس جہاد کا محرک (محض) ملک فتح کرنا ہو تو ایسی جنگ اسلام کے مذہب میں حرام ہے:

صلح شر گردد چو مقصود است غیر　　　گر خدا باشد غرض جنگ است خیر

گر نگردد حق ز تیغِ ما بلند　　　جنگ باشد قوم را نا ارجمند

''اگر مقصد غیر اللہ ہو تو صلح شر بن جاتی ہے (اور) اگر مقصود اللہ تعالٰی کی ذات ہو تو جنگ بھی خیر ہو جاتی ہے۔ اگر ہماری تلوار سے حق کا کلمہ بلند نہ ہو تو ایسی جنگ قوم کے لیے نامبارک ہوتی ہے''---

''اسرار و رموز'' کے مضامین و موضوعات کا استقصا کیا جائے اور اس کا خلاصہ نکالا جائے تو وہ اوّل و آخر جہاد بالنفس اور اعلائے کلمۃ الحق کی جدوجہد سے عبارت ہیں۔ اقبال نے اس مثنوی میں حرکت و عمل کی تعلیم دی ہے جس سے احکامِ الٰہیہ کی تفہیم کا اِدراک پیدا ہوتا ہے اور پھر اس کے اثبات کے لیے عملی جدوجہد کا شعور ملتا ہے۔

ان کی فارسی اور اردو شاعری کا جائزہ لیا جائے تو جہاد اور عسکریت کے افکار کی پیش کش فارسی زبان میں زیادہ ملتی ہے۔ یوں بھی ان کے فارسی اشعار کی تعداد نو ہزار سے متجاوز اور اردو اشعار کی تعداد چھ ہزار سے کچھ زائد ہے۔ ان کے فارسی اشعار میں جہاں کہیں مردِ حر، مردِ مومن، معرکۂ حیات، مصافِ حیات، رزم گہِ کائنات، معرکہ ہست بود یا پیکارِ زندگی کا ذکر ہوتا ہے تو یہ سب کتابِ جہاد کے مختلف ابواب دکھائی دیتے ہیں۔ ''اسرار و رموز'' میں تو جنگ و جہاد کے آداب و شرائط تک بیان کیے گئے ہیں۔

علامہ اقبال جہاں درسِ خودی اور پیامِ بے خودی کو پیش کرتے ہیں، وہاں نوجوانوں کو شاہین بننے کی تلقین کرتے ہیں اور قوم کی بیٹیوں کو عرب لڑکی فاطمہ بنتِ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہا کے کردار سے متعارف کراتے ہیں، جو ۱۹۱۲ء میں طرابلس کی جنگ میں غازیوں کو پانی پلاتی ہوئی شہید ہوگئی:

فاطمہ! تُو آبروئے امتِ مرحوم ہے — ذرّہ ذرّہ تیری مشتِ خاک کا معصوم ہے
یہ سعادت حورِ صحرائی تری قسمت میں تھی — غازیانِ دیں کی سقائی تری قسمت تھی
یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر — ہے جسارت آفریں شوقِ شہادت کس قدر
یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی! — ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی!
اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں — بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں

''بانگِ درا'' کے آخری حصے میں ایک نظم ''جنگِ یرموک کا ایک واقعہ'' کے عنوان سے موجود ہے، جس کے دس اشعار میں راہِ جہاد میں سرفروشی اور سرشاری کے جذبات پیش کیے گئے ہیں۔ اسی مجموعۂ کلام میں ''محاصرۂ ادرنہ'' کے عنوان سے نظم میں مغرب کے ساتھ جنگ کو اقبال نے حق و باطل کی کشمکش قرار دیا ہے۔

اس ضمن میں اقبال کے مجاہدانہ شعور کا اظہار سب سے پہلے اس نظم میں ہوا ہے، جو ''مارچ ۱۹۰۷ء'' کے عنوان سے ''بانگِ درا'' میں موجود ہے اور یہ اشعار انھوں نے قیامِ انگلستان کے زمانے میں کہے ہیں:

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا
سفینۂ برگِ گل بنا لے گا قافلہ مورِ ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش، مگر یہ دریا کے پار ہو گا
جو ایک تھا اے نگاہ! تُو نے ہزار کر کے ہمیں دکھایا
یہی اگر کیفیت ہے تیری تو پھر کسے اعتبار ہو گا؟
میں ظلمتِ شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہو گی آہ میری، نفس مرا شعلہ بار ہو گا

اقبال نے اس جہادی فکر اور عسکری مزاج کی پختگی کے لیے مردِ مومن کے تصور کو پیش کیا جو جذبۂ عشق سے سرشار ہو کر مصارفِ زندگی میں پیکارِ زندگی کا مظاہرہ کرتا ہے، اس موضوع کی تفصیلات ایک الگ اور مستقل مقالے کا تقاضا کرتی ہیں۔ انھوں نے شاہین کے جس تصور کو پیش کیا، وہ بھی ان کے عسکری افکار کی تشریح و توضیح میں لازم ہے۔

انھوں نے مردانِ مومن اور مردانِ حر کے سلسلے میں جن کرداروں کو اپنے کلام میں جگہ دی ہے، اس میں حضرت علی، حضرت حسین، حضرت خالد بن ولید، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم، طارق بن زیاد، صلاح الدین ایوبی، محمود غزنوی، اورنگزیب عالم گیر، احمد شاہ ابدالی، ٹیپو سلطان، فاطمہ بنت عبداللہ اور شرف النساء رحمۃ اللہ علیہم کے اسمائے گرامی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ معرکۂ حیات میں کس قسم کے کرداروں سے محبت رکھتے ہیں۔

اقبال ''ضربِ کلیم'' کی ابتدا میں ''ناظرین سے'' خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر — تیرا زجاج ہو نہ سکے گا حریفِ سنگ
یہ زورِ دست و ضربتِ کاری کا ہے مقام — میدانِ جنگ میں نہ طلب کر نوائے چنگ!
خونِ دل و جگر سے ہے سرمایۂ حیات — فطرت لہو ترنگ، ہے غافل! نہ جل ترنگ

علامہ اقبال کے جہادی اور عسکری افکار کے سبب بعض اقبال شناسوں اور ناقدین نے ان پر قوت پرستی، جنگی جنون اور فاشسٹ ہونے کا الزام لگایا ہے۔ بعض کم نگاہوں نے اقبال کے ہاں قوت اور طاقت کے الفاظ کو نیطشے کے سپرمین سے ماخوذ قرار دیا ہے۔ ایل ڈکنسن (Lowes Dickenson) نے بھی ''اسرارِ خودی'' پر جو مختلف اعتراضات کیے ہیں، ان میں ایک جنگ و قتال کے بارے میں ہے، وہ اقبال کے فلسفۂ سخت کوشی اور پیکار کی دعوت کو منفی قرار دیتا ہے۔ ڈکنسن کے علاوہ کانٹ ویل سمتھ، نیلی نو، گب اور فاسٹر نے بھی اقبال کی فکر پر جنگجوئی کا الزام عائد کیا ہے۔

وہ سمجھتے ہیں کہ اقبال مسلمانوں کو آدابِ حرب و ضرب سکھاتا ہے، مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ مجبور اور محکوم اور غلام اقوام بزم کے بجائے رزم کا میدان منتخب کریں گی اور طاؤس و رباب کے بجائے شمشیر و سناں اختیار نہیں کریں گی تو دنیا سے استعماری قوتوں کے استبدادی ہتھکنڈوں کا مقابلہ کون کرے گا؟ نیز محکوم اور غلام قومیں نوآبادیاتی نظام سے استخلاص اور

چھٹکارا کیسے حاصل کریں گی؟

اقبال قوت و طاقت کے مثبت اور منفی ہر دو پہلوؤں کو بخوبی سمجھتے تھے۔ یورپ اور عیسائیت میں چرچ اور اسٹیٹ کے مقاصد جدا جدا ہیں، مگر اسلام میں اس نوعیت کی ثنویت کا کوئی تصور نہیں ہے۔

اقبال نے قوت و طاقت کے حوالے سے اپنے نقطۂ نظر کو ''ضربِ کلیم'' کی ایک نظم ''قوت اور دین'' میں یوں پیش کیا ہے:

اسکندر و چنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں — سو بار ہوئی حضرتِ انساں کی قبا چاک
تاریخِ اُمم کا یہ پیام ازلی ہے — صاحب نظراں! نشۂ قوت ہے خطرناک
اس سیلِ سبک سیر و زمیں گیر کے آگے — عقل و نظر و علم و ہنر ہیں خس و خاشاک
لادیں ہو تو ہے زہرِ ہلاہل سے بھی بڑھ کر — ہو دیں کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاک

اسلام جہاد کو فتنے کی سرکوبی اور امنِ عالم کی بحالی کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ اس سے مظلوم قوموں کو آزادی اور عزتِ نفس کے ساتھ جینے کا حق نصیب ہوتا ہے۔ وہ اسے معرکۂ حق و باطل قرار دیتا ہے۔ اس کے جہادی مقاصد میں کہیں دہشت گردی اور انتہا پسندی نہیں۔ یہی باعث ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں جو ۸۲/ جہادی معرکے ہوئے، ان میں کل ۲۵۹ صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے اور مخالف کے بھی صرف ۷۵۹/ افراد مارے گئے۔ آپ ﷺ نے ۶۵۶۴ قیدیوں میں سے ۶۳۴۷ کو جنگوں کے فوراً بعد رہا کر دیا۔ کسی کی لاش کا مثلہ کیا اور نہ کھوپڑیوں کے منار تعمیر کیے۔ جنگی قوانین اور بعد از جنگ کے معاملات کے لیے مستقل ضوابط طے کیے۔

عادلانہ معاشروں کے قیام اور فتنوں کے استیصال کی یہی وہ کوششیں ہیں، جن کی حمایت میں اقبال نے اپنے جہادی اور عسکری افکار کو پیش کیا ہے۔ اسی باعث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جنگی معرکے محدثین نے کتاب المغازی میں، لیکن قوانینِ صلح و جنگ کو کتاب السیر میں لکھا ہے!

[ماہ نامہ دعوۃ، اسلام آباد: نومبر ۲۰۰۶ء]

دوسری قسط

خطیبِ پاکستان علامہ محمد شریف نوری رحمۃ اللہ علیہ

علامہ محمد فاروق خان سعیدی

''ادارہ اصلاح المسلمین پاکستان'' کی مذکورہ کانفرنس، منعقدہ قلعہ کہنہ قاسم باغ میں خطیبِ پاکستان حضرت مولانا محمد شریف نوری رحمۃ اللہ علیہ نے ناظمِ اسٹیج کی ذمہ داری خود ادا کی۔ قائدِ اہلِ سنت حضرت شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ نے عربی، اردو اور انگلش تینوں زبانوں میں خطاب کیا، ادارے کے زیرِ اہتمام ملتان شہر کی مرکزی مساجد میں ماہانہ، بعض مقامات پر ہفتہ وار تبلیغی و اصلاحی اجتماعات ہوتے تھے، سامعین کو غسل، وضو، نماز اور دین کے بنیادی مسائل عام فہم انداز میں ذہن نشین کرائے جاتے تھے۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے ادارہ اصلاح المسلمین کی طرف سے ہر مہینے ایک تبلیغی کتابچہ شائع کیا جاتا تھا، ان رسائل کی وجہ سے عوام اہلِ سنت کے عقائد و اعمال کی تربیت و اصلاح میں خاصی مدد ملی۔ یہ رسائل استاذ العلماء حضرت مفتی غلام مصطفیٰ رضوی حفظہ اللہ (رئیس دار الافتاء، جامعہ انوار العلوم، ملتان) ترتیب دیتے تھے۔ مفتی صاحب ادارہ اصلاح المسلمین پاکستان کے مرکزی ناظم نشر و اشاعت تھے، ادارے کا صدر دفتر چوک گھنٹہ گھر ملتان کے قریب ایک چوبارے میں قائم تھا۔

علامہ محمد شریف نوری رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور سے ماہ نامہ ''الحبیب'' کا اجراء کیا، جس کی پیشانی پر قصیدہ بردہ شریف کا یہ ایمان افروز شعر:

هُوَ الْحَبِيْبُ الَّذِيْ تُرْجٰى شَفَاعَتُهٗ
لِكُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمِ

اور نیچے فقیہ اعظم حضرت مولانا ابوالخیر محمد نوراللہ نعیمی بصیرپوری نَوَّرَ اللّٰہ مرقدہ کا نام نامی درج ہوتا تھا۔

اس سے قبل علامہ نوری رحمۃ اللہ علیہ نے قصور سے ''ماہ نامہ نور وظہور'' جاری کیا۔ معروف نعت گو اور ثنا خوان الحاج محمد علی ظہوری مدیر معاون تھے۔ ظہوری صاحب علامہ نوری صاحب کے رفیقِ سفر کے طور پر ہم راہ ہوتے تھے اور خطاب سے قبل نعت خوانی کی سعادت حاصل کرتے تھے۔ اس زمانے میں نعت خوانانِ عظام موجودہ نازنخروں کے عادی نہیں ہوئے تھے اور مروّجہ محافلِ نعت کا رواج بھی نہیں تھا۔ (خطیبِ اسلام حضرت صاحب زادہ سید شبیر حسین شاہ حافظ آبادی رحمۃ اللہ علیہ بے علم و بے عمل اور بدعقیدہ نعت خوانوں کی محافل کو مذہبی مجرا قرار دیتے تھے)۔

ماہ نامہ ''الحبیب'' لاہور اپنے دَور کا ایک معیاری مجلّہ تھا، اس کے دو خصوصی شمارے جو میرے حافظے میں قدرے محفوظ ہیں، ایک شہادت سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نمبر اور دوسرا ریڈیو پر اعلانِ رؤیت ہلال اور آلہ مکبّر الصوت (لاؤڈ سپیکر) میں نماز کے جواز سے متعلق تھا۔ ''شہادت نمبر'' میں حضرت علامہ قاضی عبدالنبی کوکب رحمۃ اللہ علیہ کا تحقیقی مضمون جس میں واقعۂ کربلا کے اسباب و وجوہ پر بھرپور روشنی ڈالی گئی تھی، خاصے کی چیز تھا۔ اسی شمارے میں معروف انقلابی شاعر شبیر حسن خان جوش ملیح آبادی کی معرکہ آرا نظم ''ذاکر سے خطاب'' بھی پڑھنے کو ملی۔ اس کے چند اشعار ''نور الحبیب'' کے اہلِ ذوق قارئین کی ضیافتِ طبع کے لیے پیشِ خدمت ہیں:

تو نہیں روحِ شہیدِ کربلا سے بہرہ مند — تیرے شانوں پر تو زلفِ بزدلی کی ہے کمند
سخت استعجاب ہے اے پیشہ ور ماتم پسند — پیروِ ضیغم کے سینے میں ہو قلبِ گوسفند

ننگ کا موجب ہے یہ اہلِ وغا کے واسطے
یوں نہ ماتم کر شہیدِ کربلا کے واسطے

سوچ تو اے ذاکرِ افسردہ طبع و نرم خُو — تیرے آگے کاروباری شے ہے مولا کا لہو
تاجرانہ مشق ہے تیرا شعار ہا و ہو — فیس کی محتاج ہے منبر پہ تیری گفت گو

عالمِ اخلاق کو زیر و زبر کرتا ہے تو
خونِ اہلِ بیت میں لقمے کو تر کرتا ہے تو

سازِ عشرت ہے تجھے ذکر امامِ مشرقین — ڈھالتا ہے تیرے سکے بستگانِ غم کا بین
تیری دارالضرب ہے اہلِ عزا کا شورشین — سر جھکالے شرم سے اے تاجرِ خونِ حسین

ذہن میں آتا ہو جس کا نام تلواروں کے ساتھ
اس کا ماتم اور سکوں کی جھنکاروں کے ساتھ

اربابِ خبر یقیناً نہیں بھولے ہوں گے کہ 60ء کی دہائی میں احرار کے معروف صحافی اور شاعر آغا شورش کاشمیری نے اپنے ہفتگی ''چٹان'' میں اہلِ سنت کے خلاف نظم ونثر میں وہ طوفانِ بدتمیزی برپا کیا اور علماءِ حق کے خلاف وہ دریدہ دہنی اور ژاژ خائی کی کہ شرافت سر پیٹ کر رہ گئی۔شورش کی اس ''شورش'' کے اثرات،فریقین کے اجتماعات میں بھی در آئے اور ہر طرف فرقہ وارانہ فسادات کا سا ماحول پیدا ہوگیا۔

اہلِ سنت کے رسائل وجرائد نے اپنے اپنے انداز میں ان ہفوات وخرافات کا جواب تو دیا لیکن شورش کی زبان وقلم،اس کے انداز اور لب ولہجے میں ترکی بہ ترکی دندان شکن جواب دینے کا اعزاز ملتان کے پندرہ روزہ ''طوفان'' کے حصے میں آیا۔اس کے ایڈیٹر امیر البیان سہروردی (اصل نام میر حسان الحیدری) مقرر ہوئے۔

''طوفان'' نے ادبی وصحافتی محاذ پر نظم ونثر میں دفاعِ اہلِ سنت کا حق ادا کردیا۔پندرہ روزہ ''طوفان'' کے چار پانچ شمارے ہی شائع ہوئے ہوں گے کہ خود کو ناقابلِ تسخیر گرداننے والا شورش اور اس کا ''چٹان'' ریزہ ریزہ ہوکر رہ گئے اور شورش کی شورش کا خاتمہ ہوگیا۔

اس موقع پر خطیبِ پاکستان حضرت مولانا محمد شریف نوری رحمۃ اللہ علیہ بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے

اور زبان وقلم سے مسلکِ حق کی بھرپور نمائندگی کی۔ وہ پاکستان کے مختلف شہروں میں خطابات کے لیے تشریف لے جاتے تو وہاں سے متعدد احباب کے ناموں سے شورش کاشمیری کو خطوط ارسال کرتے اوراس مہم جوئی سے باز رہنے اوراس کے خطرناک نتائج سے آگاہ کرتے۔

فقیہ اعظم حضرت مولانا ابوالخیر محمد نوراللہ نعیمی بصیرپوری رحمۃ اللہ علیہ کے دسترخوانِ علم سے ریزہ چینی کرنے اورآپ کے چشمۂ علم وعرفان سے سیراب وشادکام ہونے والوں کی تعداد یوں تو ہزاروں سے بڑھ کر ہے، لیکن جس شخصیت نے سب سے پہلے نوری کے لاحقے سے ملک بھرمیں اپنی نسبت کوعوام وخواص میں متعارف کرایااوراپنے استاذِ گرامی اورشیخِ کامل کے نام اورکام کواجاگرکیا، وہ مولانا محمد شریف نوری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

نوری صاحب مرکزِ اہلِ سنت انوارالعلوم ملتان کے سالانہ عظیم جلسوں میں بھی تشریف لاتے اوراپنے وعظ وبیان سے سامعین کے قلوب وخواطر کومستفید ومستنیر کرتے۔ غزالئ زماں رازئ دوراں سیدی حضرت سیداحمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ علامہ نوری کے خطابات بہت پسندفرماتے اورداد وتحسین سے نوازتے۔ یہ جلسے پہلے باغ لانگے خان، پھرقلعہ کہنہ قاسم باغ میں منعقد ہوتے تھے۔اب جامعہ انوارالعلوم ملتان کے سالانہ اجتماعات اورغزالئ زماں رحمۃ اللہ علیہ کے عرس سراپاقدس کی تقریبات شاہی عیدگاہ ملتان میں ہوتی ہیں۔

معروف سکالراور ادیب طناز پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ، مدیر ماہ نامہ ’’جہانِ رضا‘‘ رقم طراز ہیں:

> ’’پاکستان بننے کے بعد مولانا غلام دین مرحوم کے برادرزادے مولانا محمد شریف نوری مرحوم نے اپنی تقاریر میں بڑا نام پایا۔مولانا نوری، مولانا نوراللہ بصیرپوری رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ حنفیہ بصیرپور سے سندِفضیلت لے کرآئے۔حضرت بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے شہرقصورمیں اپنی خوش آوازی سے لوگوں کے دلوں کوموہ لیا۔ آپ نے اپنی خوش بیانی سے قصورکے مردوزن کواپنا گرویدہ بنالیا۔قصورکے لوگ محبت والفت میں مشہورہیں، وہ خوش نمائی اورخوش بیانی کے دلدادہ ہیں،نوری صاحب کی میٹھی تقریرسننے کے لیے ساراقصوراُمڈآتا۔آپ کی مسجد کے بام ودرکے علاوہ

دور دور تک کھلی جگہ نمازیوں سے بھر جاتی۔ آپ ترنم سے شعر پڑھتے تو دلوں کی گہرائیوں میں جگہ بنا لیتے۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ لاہور آ گئے۔ شاہ عالمی دروازے کے باہر ایک باغ کی مسجد میں جمعہ پڑھانے لگے، کچھ عرصہ بعد یہ جگہ تنگ ہو گئی تو آپ ''میو ہسپتال'' کے ساتھ نمک منڈی کی مسجد میں خطبہ دینے لگے۔ ان دنوں اس مسجد کے سامنے ایک کھلا میدان تھا، جہاں آپ کی تقریر سننے والے دور دور تک بیٹھے نظر آتے۔ یہ جگہ تنگ پڑ گئی تو نوری صاحب راوی روڈ پر (جہاں آپ کی تعمیر کردہ ''مسجد محمدی'' کا بلند و بالا مینار آپ کے مزار پر سایہ فگن نظر آتا) ایک کھلے میدان میں تقریر کرنے لگے۔ جہاں سیکڑوں نہیں ہزاروں سامعین جمعہ پڑھنے آتے۔ نوری مرحوم کی شہرت لاہور سے نکل کر سارے پاکستان میں پھیل گئی۔ ہر شہر کے اہلِ محبت نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو بلایا اور آپ کی تقریریں سنیں۔ آپ نے عالم اسلام کا دورہ کیا، حرمین شریفین سے نکل کر وہ مصر، فلسطین، بیت المقدس، عراق، ایران اور افغانستان میں گئے۔ آپ نے کئی کتابیں لکھیں، آپ کی ''بارہ تقریریں'' بڑی مشہور ہوئی۔ آج ہمارے نوجوان خطیب اسی کتاب کے صفحات سے راہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ آپ کا ماہ نامہ رسالہ ''الحبیب'' ایک عرصہ تک اپنے قارئین سے داد و تحسین وصول کرتا رہا ہے۔ آپ ایک بھرپور خطیبانہ، ادیبانہ اور عالمانہ زندگی گزار کر جوانی میں ہی چل بسے''---

[''مجالس علماء''، مرتب محمد عالم مختارِ حق، صفحہ نمبر 86,85]

علامہ نوری رحمۃ اللہ علیہ بے شمار خوبیوں کے مالک تھے، انہیں زندگی نے زیادہ مہلت نہیں دی، وہ اپنی مختصر حیاتِ مستعار کے لیل و نہار گزار کر 13/مئی 1972ء، جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب راہیٔ ملکِ بقا ہوئے۔

ترس گئے ہیں صدا ہائے خوش نما کے لیے
پکار وادیٔ خاموش سے خدا کے لیے

❀❀❀❀❀

قائدانہ اوصاف ، اسوۂ حسنہ کی روشنی میں ③

نصب العین کی سچائی کا یقین اور اس سے پختہ وابستگی

پروفیسر خلیل احمد نوری

اپنے مشن، مقصد اور نصب العین کی سچائی کا یقین اور اس مقصد سے پختہ وابستگی، قائدانہ اوصاف میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ قائد کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر طرح کے حالات میں استقامت اور استقلال سے اپنے اصول اور نظریے پر قائم رہے۔ اپنے مقصد کی کامیابی کا پختہ یقین رکھتے ہوئے آگے بڑھتا چلا جائے۔ مخالفتوں کی آندھیاں آئیں یا طوفان اٹھیں، ناموافق حالات کے تھپیڑوں سے کبھی مایوس ہو کر نہ بیٹھ رہے۔ قائد کی بے لچک ثابت قدمی کے بغیر کوئی تحریک کامیابی سے ہم کنار نہیں ہوسکتی۔ اپنے ذاتی مقاصد اور مفادات کو ترجیح دینا، کمزور ارادے سے عمل پیرا ہونا اور وقتی فائدے کے لیے اپنے اصولوں میں تبدیلی کرنا، قائد کی نااہلی کی دلیل ہے۔

مقصد اور نصب العین پر صبر وثبات اسی وقت ممکن ہے جب کوئی قائد اپنے مقصد کو دل کی

گہرائی سے سچا جانتا ہو اور اسی سچائی کی بدولت کامیابی کے یقین سے سرشار ہو۔ ہمارے آقا و مولا سیدنا رسول اللہ ﷺ کو مقصد نبوت و رسالت کی حقانیت اور اس کے بار آور ہونے کا جیسا یقینِ کامل تھا، ویسا کسی اور انسان کو نصیب نہیں ہو سکتا۔ کارِ نبوت کی انجام دہی کے لیے وحی الٰہی کا نزول جاری تھا اور اس وحی پر رسول کریم ﷺ کو جو یقینِ کامل تھا، اس کی اللہ تعالیٰ نے خود تعریف فرمائی ہے۔ صاف صاف فرما دیا کہ ہمارے رسول (ﷺ) کو ہماری جانب سے اترنے والے کسی حکم کے بارے میں کوئی شک اور خلجان نہیں ہے۔ ارشاد ہوا ہے:

آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ---[البقرۃ،۲:۲۸۵]

''یہ رسول (ﷺ) اس پر پورا یقین رکھتے ہیں جو ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل کیا گیا ہے اور ایمان والے بھی (یقین رکھتے ہیں)''---

پیغمبرانہ مشن کو شکوک و شبہات کی گرد میں چھپانے کے لیے اسلام دشمنوں نے ہر قسم کا پروپیگنڈا کیا۔ اہلِ ایمان کو متزلزل کرنے کے لیے نت نئے اعتراض اٹھائے۔ ہر تازہ حکم الٰہی کے خلاف کج بحثی کا نہ تھمنے والا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ مناظرانہ کیفیت پیدا کر کے دین اسلام کی حقانیت کو باطل ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی۔ مخالفین کے بے بنیاد سوالوں اور کٹ حجتیوں کے جواب میں آیات نازل ہوتیں اور پروردگار عالم جل وعلا، رسولِ کریم ﷺ سے مخاطب ہو کر اسلام کی حقانیت کا اطمینان دلاتا، تاکہ آپ صراطِ مستقیم پر چلنے والوں کے ذہنوں پر پڑی ہوئی شبہات کی گرد دور فرما دیں۔ چنانچہ تحویلِ قبلہ کے بارے میں یہود کے شبہات رفع کرنے کے بعد فرمایا:

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ---[البقرۃ،۲:۱۴۷]

''حق وہی ہے جو تیرے پروردگار نے فرما دیا ہے، پس (اے سننے والے!) تم شک میں پڑنے والوں میں سے نہ بنو''---

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی کا ذکر کرنے اور عیسائیوں کے سوال کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر اللہ کے بیٹے نہیں ہیں تو پھر بتائیے کہ وہ کس کے بیٹے ہیں، کا جواب دینے کے بعد یہی ارشاد ہوا:

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ---[آل عمرٰن،۳:۶۰]

یوں ہی ایک اور موقع پر فرمایا کہ اہلِ کتاب کو معلوم ہے کہ قرآنِ کریم برحق اور سچی کتاب ہے:

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ---[الانعام،۶:۱۱۴]

''پس (اے سننے والے!) تم شک میں پڑنے والوں میں سے نہ بننا''---

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:

لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ---[یونس،۱۰:۹۴]

''ضرور تیرے رب کی طرف سے حق آ چکا، پس (اے سننے والے!) تم شک میں پڑنے والے نہ بنو''---

ان مقامات میں، بظاہر تو رسول اللہ ﷺ وحی الٰہی کے مخاطب ہیں، مگر خطاب کے پردے میں اوّل تو مخالفین پر عتاب ہے۔ دوسرا یہ کہ رسول اکرم ﷺ کی وساطت سے قیامت تک آنے والے قرآن کے مخاطبین سے خطاب ہے کہ وہ منکرین کی باتوں میں نہ آئیں اور کسی قسم کے شک میں نہ پڑیں۔ معلوم ہوا کہ دینِ اسلام کی حقانیت پر یقین کی جو کیفیت پوری امت کو حاصل ہوئی ہے، اس کا واسطہ اور وسیلہ رسول اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات ہے۔ اس سے اندازہ کرنا دشوار نہیں کہ خود محبوبِ کبریا علیہ الصلوٰۃ والسلام یقین کے کس درجے پر فائز ہوں گے۔

رسولِ کریم ﷺ، یقین کے اعلیٰ درجے پر کیوں فائز نہ ہوتے جب کہ وحی کا نزول ہو رہا تھا اور بواسطۂ جبریل، اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ نت نئے احکام نازل کیے جا رہے تھے، نئی ہدایات دی جا رہی تھیں۔ منصب رسالت عطا کرنے والا رب انہیں تسلی آمیز کلمات سے نوازتا ہے۔ پہلے نبیوں کے احوال بیان کیے جاتے ہیں کہ انہیں کارِ نبوت ادا کرنے میں کن جاں گسل حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کی قوموں کا انکارِ حق، ہٹ دھرمی اور ہلاکت وغیرہ کی مثالیں دے کر کامیابی کے حصول تک صبر و استقامت اختیار کرنے کی تازہ ہدایات دی جاتیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کے قلبِ اقدس میں

مقصد رسالت کی جلد تکمیل اور اس کے بار آور ہونے کی خواہش مچلتی، تو آپ کا پروردگار تلقین فرماتا کہ اے محبوب! آپ اطمینان رکھیں، کامیابی اور کامرانی آپ کا مقدر ہے، ہمارا وعدہ برحق ہے کہ ہماری مدد و نصرت آپ کو پہنچ کر رہے گی۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ---[المومن،۴۰:۵۵]

''(اے نبی!) آپ صبر کیے رکھیں، بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے''---

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَ لَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ---[الاحقاف،۴۶:۳۵]

''پس آپ صبر کیجیے جیسا کہ اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا اور ان (کفار) کے معاملے میں جلدی نہ کیجیے''---

وَ لَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَ أُوْذُوْا حَتّٰى أَتَاهُمْ نَصْرُنَا---[الانعام،۶:۳۴]

''(اے حبیب!) آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کو جھٹلایا جا چکا ہے، مگر اس تکذیب اور اذیتوں پر انہوں نے صبر کیا، یہاں تک کہ انہیں ہماری مدد پہنچ گئی''---

کفارِ مکہ کی خواہش اور کوشش تھی اور اس کے لیے انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ کسی طرح آپ ﷺ اپنے دعوتی مشن میں ڈھیلے پڑ جائیں۔ ان کی اس مچلتی آرزو کی طرف متوجہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ---[القلم،۶۸:۹]

''یہ لوگ چاہتے ہیں کہ آپ نرمی کریں تو یہ بھی نرم ہو جائیں''---

اس لیے تاکید کی گئی کہ:

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَ اسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ---[الشوریٰ،۴۲:۱۵]

''اے حبیب! آپ لوگوں کو دین کی طرف بلاتے رہیں اور جو آپ کو حکم دیا گیا ہے، اس پر مضبوطی سے قائم رہیں''---

رسول اللہ ﷺ کی تئیس سالہ جہد مسلسل اس بات کی گواہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس ہدایتِ ربانی کو ایک لمحہ کے لیے بھی نظر انداز نہیں فرمایا۔ مشرکینِ مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو نصب العین سے ہٹانے کے لیے ہر طریقہ اور حربہ استعمال کیا، لیکن ان کی کوئی تدبیر مؤثر نہ ہوئی۔ رؤسائے قریش کا ایک وفد حضرت ابو طالب کے پاس گیا اور کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے یا تو تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ، ہم خود اس سے نمٹ لیں گے یا تم بھی میدان میں آ جاؤ تا کہ فیصلہ ہو جائے۔ ایک مرتبہ تو حضرت ابو طالب نے انہیں نرمی سے ٹال دیا۔ وہ دوبارہ آئے اور کہا کہ ہم اپنے آباء واجداد کی برائی نہیں سن سکتے۔ محمد (ﷺ) ہمیں احمق سمجھتا ہے اور ہمارے معبودوں کی برائی بیان کرتا ہے۔ حضرت ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ کو بلا کر سمجھانے کی کوشش کی اور کہا: اے بھتیجے! مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈال کہ میں اٹھا نہ سکوں۔ آپ ﷺ نے سن کر فرمایا:

وَ اللّٰهِ لَوْ وَضَعُوا الشَّمْسَ فِيْ يَمِيْنِيْ، وَ الْقَمَرَ فِيْ يَسَارِيْ عَلٰى أَنْ أَتْرُكَ هٰذَا الْأَمْرَ حَتّٰى يُظْهِرَهُ اللّٰهُ، أَوْ أَهْلِكَ فِيْهِ، مَا تَرَكْتُهٗ---

''اللہ کی قسم! میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند لا کر رکھ دیں تو بھی میں اپنے فرضِ منصبی سے پیچھے نہ ہٹوں گا۔ یہاں تک کہ یہ کام پورا ہو جائے یا میں خود اس راہ میں اپنی جان قربان کر دوں'' ---[سیرت ابن ہشام، ۱:۲۵۳]

قریشِ مکہ نے خیال کیا کہ شاید رسول اللہ ﷺ کو اقتدار و مرتبے کی خواہش اور مال و دولت کی لالچ ہے۔ انہوں نے عتبہ بن ربیعہ کو آپ کے پاس بھیج کر پیغام دیا اور کہا کہ اگر تمہیں مال کی ضرورت ہے تو ہم اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ تم ہم سے زیادہ مال دار ہو جاؤ گے، اگر سرداری کے طلب گار ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار ماننے کو تیار ہیں اور تمہاری مرضی کے بغیر کوئی کام انجام نہ دیں گے، اگر بادشاہی مطلوب ہے تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ تسلیم کر لیں گے، کسی جن کے زیر اثر ہو تو اس کا علاج کروانے کے لیے اپنے تمام وسائل خرچ کر دیں گے، شرط یہ ہے کہ اسلام کی دعوت سے باز آ جاؤ۔ ان ترغیبات کے جواب میں رسول اکرم ﷺ نے سورہ حٰمٓ السجدہ کی چند آیات تلاوت فرمائیں۔ عتبہ قرآن مجید سن کر واپس چلا گیا اور قریش کو

مشورہ دیا کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔[سیرت ابن ہشام،۱:۲۷۷]

مکہ مکرمہ اور طائف کے بازار اس بات پر گواہ ہیں کہ اذیت دینے اور ستانے کا وہ کون سا طریقہ تھا جو رسول اللہ ﷺ کو اشاعتِ اسلام سے روکنے کے لیے مخالفین کی طرف سے نہ اختیار کیا گیا، مگر مجال ہے کہ آپ کے پائے استقامت میں ذرا برابر لغزش آئی ہو۔ آزمائش وابتلاء کا ہر لمحہ جسم وجاں کو گھلا دینے والا اور اس سفر کی ہر گھڑی تھکا دینے والی تھی۔ مصیبتوں کے پہاڑ ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہو گئے لیکن آپ پورے قد،قوت اور یقین کے ساتھ غلبۂ اسلام کی جدوجہد پر قائم رہے۔

رسول اللہ ﷺ کی تیرہ سالہ مکی زندگی راہِ حق میں آنے والی مصیبتوں کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ کفار آپ کو جادوگر، مجنوں، کاہن اور خود سے قرآن گھڑ لینے والا کہتے۔ نام بگاڑتے اور محمد (ﷺ) کے بجائے مذمم کہہ کر دل کا غصہ ٹھنڈا کرتے۔ گالیاں دیتے، پتھر مارتے، حتیٰ کہ قتل کے منصوبے بناتے۔ رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے کا انتقال ہوا تو صدمے کے وقت میں بھی کفار کی عداوت وکمینگی اس حد تک جا پہنچی کہ تالیاں بجاتے ہوئے ایک دوسرے کو خوش خبری دینے لگے:

''بُتِرَ مُحَمَّد'' کہ ''محمد لاولد ہو گئے'' اور ان کی نسل مٹ گئی۔ ابولہب آپ کا چچا تھا، یہ قرابت داروں کے اجتماع میں سب سے پہلے مخالفت میں کھڑا ہوا، کوہِ صفا کے اجتماع عام میں بھی شدید مخالفت کی اور ردِّ عمل دیتے ہوئے کہا:

تَبًّا لَّكَ أَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا---سیرت ابن ہشام،۱:۳۵۱]

''تمہاری ہلاکت ہو، (نعوذ باللہ!) کیا تم نے اس غرض کے لیے ہمیں اکٹھا کیا ہے؟''---

رسول اللہ ﷺ گھر میں نماز پڑھتے تو پڑوسی کفار آپ پر غلاظت پھینک دیتے۔ صحن میں کھانا پک رہا ہوتا تو ہنڈیا میں نجاست ڈال دیتے۔ ابولہب کی بیوی کا کردار سب سے گھٹیا رہا، وہ راتوں کو اٹھ کر آپ ﷺ کے دروازے پر کانٹوں بھری جھاڑیاں لا کر ڈال دیتی۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ صحن کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے، کچھ فاصلے پر مکہ کے سردار بیٹھے تھے، انہیں

نماز سے چڑ ہوئی اور ابوجہل کے اکسانے پر بدبخت عقبہ بن معیط اٹھا اور اونٹ کا غلیظ بھاری اوجھڑ لاکر آپ کے کندھوں پر رکھ دیا اور آپس میں زور زور سے ہنستے ہوئے ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ پیغمبرانہ مشن پر قائم رہنے کی پاداش میں رسول کریم ﷺ اور آپ کے خاندان کو تین سال تک شعب ابی طالب میں قریش کے بائیکاٹ کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ بھوک کی وجہ سے چمڑا اُبال کر اور درختوں کے پتے کھانے پر مجبور ہو گئے۔

مشرکینِ مکہ فرداً فرداً اور اجتماعی مشوروں سے اسلام کی بڑھتی ہوئی اشاعت روکنے کی منصوبہ بندی کرتے۔ مسلمانوں کے دلوں میں اسلامی تعلیمات اور قرآن مجید کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرتے۔ رسول اکرم ﷺ قریہ قریہ، بستی بستی گھومتے۔ ایک سے دوسرے قبیلے میں جا کر دعوتِ حق کا فرض نبھاتے، عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز کے میلوں، منڈیوں اور حج کے موقع پر حجاج کے خیموں میں اسلام کی دعوت کے لیے تشریف لے جاتے۔ آپ کسی فرد یا اجتماع میں گفتگو فرماتے تو کفار وہاں پہنچ کر لوگوں کو آپ کی بات سننے اور قبول کرنے سے روکتے اور کہتے کہ یہ بے دین اور جھوٹا آدمی ہے۔ (نعوذ باللہ)

نضر بن حارث، ایران سے شاہانِ فارس اور رستم واسفندیار کے قصے کہانیاں خرید کر لایا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ لوگوں کو قرآن مجید سناتے، ادھر وہ یہ افسانوی قصے سنانا شروع کر دیتا۔ اس نے ناچ گانے والی لونڈیوں کا بندوبست کیا اور جب رسول اللہ ﷺ لوگوں کو ہدایت ربانی سے آگاہ کرتے، وہ رقص وسرود کی محفل سجا لیتا۔

راہِ حق میں رسول اکرم ﷺ کو جن صبر آزما مصائب کا سامنا کرنا پڑا، اس طویل جدوجہد کو یہاں بیان کرنا ممکن نہیں۔ مختصر یہ کہ آپ کے اسوہ میں کوئی ایک مثال ایسی نہیں ملتی جب آپ تھک ہار کر یا ذہنی اور نفسیاتی دباؤ کا شکار ہو کر اسلام کی دعوت چھوڑ کر بیٹھ رہے ہوں، کبھی حوصلہ پست ہوئے، نہ جوش وولولہ میں کمی آئی۔ ہر لمحہ تازگی، شادابی، بے خوفی، جرأت اور دلی طمانیت کے ساتھ منصبی ذمہ داریاں ادا کرتے رہے اور نصب العین کے ساتھ جڑے رہے۔ اندرونی یا بیرونی دباؤ کی وجہ سے اصول ومقاصد نبوت میں تبدیلی کی، نہ کمی نہ اضافہ کیا۔ کسی فلسفی کی طرح نہیں کہ جو صرف خیالات وافکار پیش کرنا کافی سمجھتا ہے اور نہ کسی واعظ

کی طرح جو نصیحتوں کے انبار لگا کر اپنے فرض سے سبک دوش ہو جاتا ہے۔ بلکہ منزل تک پہنچنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے منصوبہ بندی کی، حصولِ مقصد کے لیے ایک نظام ترتیب دیا، نتیجہ خیزی کے لیے راستے کے کانٹوں کو چن چن کر ہٹایا اور غلبۂ حق کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شیرازہ بندی کی، ان کی روحانی، اخلاقی اور عسکری تربیت کی۔ یہاں تک کہ منزل پر پہنچ کر دم لیا۔ غزوۂ بدر و احد ہو یا معرکۂ خندق و حنین اور سفر تبوک، رسول اللہ ﷺ ہر مشکل مقام اور ہر کٹھن مرحلے میں اپنے صحابہ کے شانہ بشانہ کھڑے دکھائی دیے۔ ان کی رہنمائی فرماتے، امید بندھاتے اور عملی طور پر ان کا ہاتھ بٹاتے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے کسی کو کبھی یہ خیال تک نہ گزرا کہ ہمارے قائد (رسول اللہ ﷺ) ہمیں مسائل و خطرات سے دوچار کر کے خود آرام و سکون کی زندگی گزار رہے ہیں۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ مقصد میں کامیابی کا یقین اور پر آشوب حالات میں روشن مستقبل کی امید، قائد کا سرمایہ ہوتا ہے۔ قائد نہ صرف خود مایوس نہیں ہوتا، اپنے پیروؤں کو بھی مایوسی کے بھنور سے نکالتا اور روشن مستقبل کی خوش خبری سناتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ مستقبل میں غلبۂ اسلام کے یقین سے کس قدر مالا مال تھے، اس کا اندازہ ان واقعات سے لگایا جا سکتا ہے جن میں آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو غلبۂ حق کی خوش خبریاں سنائیں۔ مثلاً:

مکی زندگی میں سردارانِ مکہ کے مظالم اپنے عروج پر تھے اور اس وقت تک تاریخ نے ظلم و ستم کی جتنی شکلیں متعارف کروائی تھیں، اہلِ ایمان پر آزمائی جا رہی تھیں، مایوسی اور ناامیدی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھائے ہوئے تھے۔ ان حالات میں حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ کعبۃ اللہ کے سائے میں چادر اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے مدد طلب کیوں نہیں کرتے؟ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کیوں نہیں فرماتے؟ حضور ﷺ نے فرمایا:

تم سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں کہ ان میں سے کسی کے لیے گڑھا کھودا جاتا، پھر اسے گڑھے میں کھڑا کیا جاتا۔ پھر اوپر سے آرا لایا جاتا اور چیر کر اس کے دو ٹکڑے کر دیے جاتے۔ اس قدر اذیت بھی اسے دین سے ہٹا نہیں سکتی تھی اور لوہے کی کنگھیوں سے اس کا گوشت

ہڈیوں سے الگ کر دیا جاتا۔مگر وہ اللہ کا بندہ حق کو نہ چھوڑتا۔پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وَ اللّٰہِ لَیُتِمَّنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ، حَتّٰی یَسِیْرَ الرَّاکِبُ مِنْ صَنْعَاءَ إِلٰی حَضْرَمَوْتَ، لَا یَخَافُ إِلَّا اللّٰہَ، أَوِ الذِّئْبَ عَلٰی غَنَمِہٖ، وَ لٰکِنَّکُمْ تَسْتَعْجِلُوْنَ---[بخاری، کتاب المناقب، باب علاماۃ النبوۃ]

''اللہ کی قسم! یہ دین مکمل ہو کر رہے گا، یہاں تک کہ سوار صنعاء(یمن) سے حضر موت تک کا سفر کرے گا اور راستے میں اللہ کے سوا اسے کسی کا خوف نہ ہوگا، البتہ چرواہے کو صرف بھیڑیے کا خوف رہے گا کہ کہیں بکری اٹھا کر نہ لے جائے، لیکن افسوس کہ تم لوگ جلدی کرتے ہو''---

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص نے آکر فاقے کی شکایت کی۔دوسرا شخص آیا اور اس نے ڈاکوؤں کی لوٹ مار کا شکوہ کیا۔حضور ﷺ نے فرمایا: اے عدی! کیا تم نے حیرہ دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ دیکھا تو نہیں لیکن مجھے اس کے محل وقوع کا علم ضرور ہے۔فرمایا: اگر تمہاری عمر نے وفا کی تو تم ضرور دیکھو گے کہ ایک بڑھیا حیرہ سے چلے گی اور خانہ کعبہ کا طواف کرے گی لیکن اسے خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔حضرت عدی کہتے ہیں کہ میرے دل میں خیال آیا کہ اس وقت قبیلہ طے کے ڈاکو کہاں ہوں گے، جنہوں نے آج شہروں کا امن تباہ کر رکھا ہے؟

[بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ]

یہ ہے اسوۂ حسنہ سے حاصل ہونے والی وہ رہنمائی جو ہر قائد کو پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ:

1. جس مشن اور مقصد کے لیے تحریک بپا کی جارہی ہے اور جس ایشو کی طرف عوام کو بلایا جارہا ہے، قائد کو اس کے درست ہونے کا کامل یقین اور اطمینان ہو۔
2. مقصد کی سچائی کی بنا پر قائد کو یقین ہو کہ ایک نہ ایک دن اس کے موقف اور نظریے کی حقانیت واضح ہو کر رہے گی۔
3. مزاحمتوں اور مخالفتوں کے باوجود اپنے نظریے پر آخر دم تک قائم رہے اور اس کے پائے استقلال میں لغزش نہ آنے پائے۔

مسئلہ یہ ہے کہ سلسلۂ نبوت کا اختتام ہونے سے آج کا قائد، وحی الٰہی سے محروم ہے اور نبی اور رسول کے علاوہ کسی انسان کے نظریے اور فکر کی سچائی کو حتمی اور قطعی قرار نہیں دیا جا سکتا، البتہ نبوت و رسالت کی رہنمائی آج بھی قرآن مجید اور حدیث پاک کی صورت میں موجود ہے۔ قرآن و سنت کا خلاصہ مرتب شکل میں فقہی کتب میں دستیاب ہے، لہٰذا آج کے ہر قائد پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنی فکر کی سچائی اور نصب العین کی درستی کو الہامی تعلیمات پر پرکھے، پھر انسانیت کی رہنمائی کا فرض انجام دینے کے لیے میدانِ عمل میں اترے۔ خصوصاً حضور نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے گہرے مطالعے سے رہنمائی لے کر تدبر اور تفکر کے ذریعے قوم اور ملت کے مسائل کو سمجھے اور ان کا حل تجویز کرے۔ اسوۂ حسنہ کا ہر ورق اور سیرتِ طیبہ کی ہر سطر قیادت کے عمدہ اور قابلِ عمل نمونے بیان کر رہی ہے۔ اسلامی تعلیمات کے ساتھ ساتھ، تاریخی شخصیات، مصلحین و قائدین کی سوانح کا مطالعہ ضروری ہے۔ تاریخ ساز شخصیات کی کامیابیوں اور ناکامیوں کے گہرے جائزے سے قائدانہ بصیرت حاصل ہو سکتی ہے۔ قوموں کے عروج و زوال اور ان کے اسباب کا علم ہر قائد کے لیے سرمایۂ حیات ہونا چاہیے۔ عوام الناس کی سیاسی، روحانی، دینی قیادت کا جذبہ رکھنے کے لیے نیت اور ارادے کا کھرا پن ضروری ہے، ایسا نہ ہو کہ ذہن کے کسی گوشے میں ذاتی مفاد، خود پرستی، بڑا بننے اور لوگوں میں مقبول ہونے کی خواہش یا اقتدار و عہدے کی طلب اور مال بنانے کی تڑپ جوش مار رہی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ انسانیت کی اصلاح اور ان کی فلاح و بہبود کا حقیقی جذبہ تو موجود ہو مگر اس میدانِ پرخار میں آنے والی مشکلات، مزاحمتوں اور مخالفتوں کو برداشت کرنے کی ہمت و طاقت نہ ہو۔ ضروری ہے کہ قائد میں ایسی دور اندیشی اور مستقبل بینی پائی جائے جس کی وجہ سے کوئی قائد اپنے نظریے کو عمل میں ڈھلتا ہوا دیکھ کر باطل کے ساتھ سمجھوتا کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ اسی دیدہ وری کی صفت سے وہ خود مایوس ہوتا ہے اور نہ اپنے پیروؤں کو مایوس ہونے دیتا ہے۔ ایسی دیدہ وری کے حصول کا اصل منبع الہامی تعلیمات ہیں، جو نبی اکرم ﷺ کے وجود مبارک میں متشکل ہو کر انسانیت کو عطا ہوئی ہیں۔

❀❀❀❀❀

کنیت

شیخ عبداللہ دانش
قاری ابوبکر عاصم

''اَبُوْ'' کیا ہے؟

علم نحو کی کتاب ''نحومیر'' کے صفحہ نمبر 14 پر درج ہے:

●......اسمائے ستہ مکبرہ درو قتیکہ مضاف باشد بغیر یائے متکلم: چوں اَبٌ وَ اَخٌ وَ حَمٌ وَ ھَنٌ وَ فَمٌ وَ ذُوْمَال رفع شان بواؤباشد، و نصب بالف، و جر بیا، چوں جَآءَ أَبُوْكَ، وَ رَأَيْتُ أَبَاكَ، وَ مَرَرْتُ بِأَبِيْكَ۔

●......مذکورہ عبارت سے یہ پتا چل گیا کہ اَبٌ اسمائے ستّہ مکبّرہ میں سے ہے اور حالتِ رفعی میں ''اَبُوْ'' ہے۔

●......علم النحو پر ایک اور کتاب، جو عرب مما لک میں متداول ہے، ''الاجرومیة''۔ اسے لکھنے والے محمد بن محمد بن داؤد الصنھاجی (المتوفی ۷۲۳ھ) ہیں۔ جو مغرب کے رہنے والے تھے (موجودہ شمال مغرب افریقہ، مراکش وغیرہ) بر بری قبیلہ سے تھے۔

❶......ان کی اس کتاب کا ''حاشیة الاجرومیة'' عبدالرحمٰن بن محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۹۲ھ) نے لکھا ہے۔

❷...... موجودہ زمانے میں سعودی عرب کے نامور عالم شیخ محمد بن صالح عثیمین (المتوفی 2001ء) نے ''شرح الآجرومیة'' لکھی۔اس کتاب میں اسمائے مکبّرہ ستہ کے بجائے، خمسة لکھا۔شیخ عثیمین نے وضاحت کی کہ اکثر نحویوں نے یہ نام پانچ ہی بتائے ہیں، چھٹا اسم ''ھَنٌ'' اختلافی ہے۔مؤلف اجرومیہ چونکہ کوفی ہے، وہ پانچ ہی مانتے ہیں مگر ابنِ مالک بصری نے چھ بتائے ہیں۔[۱]

●...... علم النحو کی ایک اور کتاب ''کافیہ'' ہے،اس میں بھی اسمائے ستّہ مکبّرہ کا ذکر موجود ہے۔

●...... الفیہ ابنِ مالک پر شرح ابنِ عقیل میں بھی ''المعرب و المبنی'' کے تحت تفصیل موجود ہے۔[۲]

●...... ''قطر الندیٰ وبل الصدی'' میں ''العلم'' کے تحت ''الکُنْیَة'' کی تشریح میں موجود ہے، دیکھیں صفحہ 133۔

لغوی تحقیق

●...... نحوی تحقیق کے بعد، اب دیکھیں کہ ''اَبٌ'' لغتِ عرب میں کیا ہے؟

●...... ''الصحاح'' للجوھری جلد دوم میں ہے:

اَلْاَبُ اَصله اَبَوٌ ،یعنی اَبٌ اصل میں اَبَـوٌ تھا، واؤ کو آخر سے ختم کیا گیا، صرف اَبٌ رہ گیا۔[۳]

●......یہی بات ابنِ منظور نے لکھی۔[۴]

●...... فارسی مستند لغات نے یہی لکھا ہے: ''آباء'' پدران۔ایں جمع ''اَبٌ'' است کہ دراصل ''اَبَوٌ'' بود۔[۵]

●......عربی اردو ڈکشنری، مرتبہ: مولانا عبدالحفیظ بلیاوی، استاذ ادب ندوۃ العلماء، لکھنؤ نے لکھا: الاب باپ۔وہ شخص جو کسی چیز کے لیے باعثِ ایجاد یا باعثِ اصلاح ہو۔ جمع آباء و اَبُون۔[۶]

●......امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: ''الاَبُ'' اصل معنی تو والد کے ہیں[۷]

مجازاً ہراس شخص کو جو کسی شے کی ایجاد،ظہور یا اصلاح کا سبب ہو۔اصل میں ابٌ ، اَبَــوٌ تھا، بروزن فعَلٌ۔[۸]

● ......عربی المنجد میں ہے، اَبٌ،جمع اس کی أبَاء ہے،معنی الوالد ، وَ مَنْ کَانَ سَبَبًا فِی إیجَادِ شَیْءٍ، أو إصْلاحِہٖ ، وَ کَلِمَۃ أب مِن الاسمَاء الخمسۃ۔[۹]

● ......مجد الدین فیروز آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآنی الفاظ کی تشریح پر بہت عمدہ کتاب لکھی ہے، جس کی چھ جلدیں ہیں۔اس کا ایک باب ہے ''بصیرۃ فی الالف''،اس کے تحت لکھتے ہیں، وَ الْاَلِفُ فِی الْقُرْآنِ وَ لُغَۃِ الْعَرَبِ یَرِدُ عَلٰی نَحْوِ مِنْ أَرْبَعِیْنَ وَجْھًا۔[۱۰]

قرآن کریم اور لغتِ عرب میں اَلِف،قریباً چالیس مختلف انداز سے وارد ہوتا ہے۔ آگے نمبر سات پر ہے، اَلسَّابِعُ اَلِفُ الْقَطْعِ،ساتویں الف کی قسم الف قطعی ہے۔ نَحْوُ أَلِفُ أُمّ ،جیسے ابٌ اور اُمٌّ کا الف ہے،یعنی یہ ہمزہ قطعی ہے،وصلی نہیں ہے۔

کُنیت کی تشریح

● ......ابنِ منظور نے لکھا ہے،کنیت تین طرح سے ہوتی ہے:

❶ کسی کی برائی ظاہر کرنے کے لیے۔

❷ کسی کو تعظیم وتوقیر بخشنے کے لیے۔

❸ وَ الثَّالِثُ أَن تَقُوْمَ الْکُنْیۃ مَقَام اِلاسْمِ ، فَیُعْرَفُ صَاحِبُھَا بِھَا ، کَمَا یُعْرَفُ بِاسْمِہٖ، کَأَبِی لَھَبَ ، اسْمُہٗ عَبْدُ الْعُزّیٰ ، عُرِفَ بِکُنْیَۃ ، فَسَمَّاہُ اللّٰہُ بِھَا۔

تیسرا یہ کہ کنیت، نام کے قائم مقام ہوتی ہے۔ ایسی کنیت والا شخص، اپنی کنیت سے معروف ہوجاتا ہے،جیسا کہ کوئی اپنے نام سے مشہور ہوتا ہے۔مثلاً: ابو لھب ہے،حالانکہ اس کا نام عبد العزّٰی تھا۔نام کے بجائے کنیت سے مشہور ہوا اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی کنیت کو ہی نام دے دیا۔[۱۱]

● ......مترجم المنجد میں ہے،کنیت وہ نام ہے جو کسی کی تعظیم یا علامت کے لیے بولا جائے، وہ نام جو اَبٌ ، اُمٌّ ، اِبْنٌ یا بِنْتٌ کا لفظ شروع میں لگانے سے،مکمل نام بنتا ہے۔[۱۲]

● ......شرح ابنِ عقیل میں، اَلْـعَـلَـمُ کے عنوان کے تحت، تیسرے شعر کی وضاحت

کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عَلَم (اسم) کی تین قسمیں ہیں:

❶......اسم: وہ نام اور کلمہ، جس سے کسی شخص، جانور، جگہ یا چیز کو پہچانا جائے۔

اس کی جمع اسماء ہے۔[۱۳]

❷......کنیت: وہ نام جو باپ، ماں، بیٹا، بیٹی وغیرہ کے تعلق سے بولا جائے۔[۱۴]

❸......لقب: وہ نام جو کسی خاص مدح (تعریف) یا ذم (مذمت) کے سبب سے پڑ گیا ہو۔[۱۵]

ابنِ عقیل نے کنیت پر خاص یہ الفاظ لکھے ہیں:

مَا کَانَ فِیْ أَوَّلِہٖ أَبٌ، أو أُمٌّ، کابِیْ عَبْدِ اللّٰہ و أُمِّ الْخَیْرِ---

''جس لفظ کے شروع میں اَب یا اُم کا لفظ لگائیں، جیسے ابوعبداللہ اور اُمُّ الْخَیْر ہے''---[۱۶]

●......علامہ وحید الزمان نے لکھا:

کنیت: نام رکھنا، ابو یا ابن یا ام یا بنت کے ساتھ۔ مثلاً: ابوزید، اُمِ عمرو، ابواشرف۔[۱۷]

●......ایسے ہی عربی المنجد میں ہے:

اَلْکُنْیَۃُ: إِسْمٌ یُعَلَّقُ عَلَی الشَّخْصِ تَعْظِیْمًا لَّـہٗ أوْ عَلَامَۃً عَلَیْہِ۔ اَلْعَلَمُ الْمُصَدَّرُ بِلَفْظِ الْاَبِ أوِ الْاِبْنِ أو الْبِنْتِ---[۱۸]

ڈاکٹر سہیل حسن نے اصطلاحاتِ حدیث پر معجم لکھی ہے، جو نہایت سہل اور مفید ہے۔ اس کتاب میں ''اَلْکُنٰی'' کی تشریح موجود ہے:

''کُنٰی: کُنْیَۃً کی جمع ہے۔ کنیت سے مراد وہ نام ہے جو ''اَبٌ''، ''اُمٌّ'' یا ''اِبْنٌ'' سے شروع ہوتا ہے، مثلاً: ابوہریرہ، امّ سلمہ، ابنِ عمرو غیرہ''---

کنیتوں کی مختلف اقسام اور مثالیں یہ ہیں

❶ وہ شخص جس کی کنیت ہی اس کا نام ہوتی ہے، اس کے علاوہ، اس کا کوئی دوسرا نام نہیں ہوتا۔ مثلاً: ابوبلال الاشعری کا نام اور کنیت ایک ہی ہے۔

❷ وہ شخص جو اپنی کنیت سے ہی معروف ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس کا کوئی نام ہے بھی یا نہیں۔ مثلاً: ایک صحابی ''ابو نواس رضی اللہ عنہ'' کنیت سے معروف ہیں اور یہ معلوم نہیں کہ اس کے علاوہ، ان کا کوئی دوسرا نام بھی ہے۔ [۱۹]

امام ابن قتیبہ

ابنِ قُتَیبہ نے اپنی معروف کتاب ''المعارف'' میں یہ باب مقرر کیا ہے:

اَلْمُسَمُّوْنَ بِکُنَاھُمْ ---''وہ لوگ جن کے نام کنیتوں پر ہی رکھے گئے''---

❶...... ابوبکر بن عیاش، اسمہ کنیۃ، اس ابوبکر کی کنیت ہی نام تھا۔

❷...... ابو عمرو بن العلاء و اخوہ ابوسفیان بن العلاء، اسماء ھما کناھما، دونوں بھائیوں کی کنیت ہی نام ہیں۔

❸...... ابو قرۃ الکندی اوّلُ قاضٍ قضٰی بالکوفۃ، اسمہ کنیۃ، ابوقرہ کوفہ کا پہلا قاضی، نام ہی کنیت سے معروف ہے۔

❹...... ابو ھُبیرۃ بن الحارث، من الانصار، اسمہ کنیۃ۔

❺...... ابوبکر بن عبد الرحمٰن بن الحارث بن ھشام المخزومی، اسمہ کنیۃ۔ اسے راہب قریش کہا جاتا تھا۔ درویش قریش۔

❻...... ابو بکر بن ابی موسی الاشعری رضی اللہ عنہ، اسمہ کنیۃ۔ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ نے، اپنے بیٹے کا نام ہی ابوبکر رکھا۔

❼...... ابو رمیۃ و ابو الحضرمی من تیم المرباب، ان دونوں کی کنیتیں، ان کے نام تھے۔ [۲۰]

علامہ الماوردی رحمۃ اللہ علیہ

ابوالحسن الماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معروف کتاب میں ایک شعر نقل کیا ہے، فضیلتِ علم کے تحت:

مَنْ عَلَّمَ النَّاسَ کَانَ خَیْرَ أَبٍ
ذَاکَ أَبُو الرُّوحِ لَا أَبُو النُّطَفِ [۲۱]

''جس نے لوگوں کو تعلیم دی، وہ بہترین باپ ہے۔ وہ روحانی باپ ہے نہ کہ نسلی باپ''---

اس شعر میں، عربی شاعر نے، معلم اور استاذ کو''ابو الروح'' کہا ہے، روح کا باپ۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ---[۲۲]

''اور اس میں (آدم علیہ السلام میں) اپنی روح سے کچھ پھونک دوں''---

یعنی روح کا تعلق اللہ جل جلالہ سے ہے۔ معلم، اس روح کا باپ کیسے ہوسکتا ہے؟

اس شعر سے صاف پتا چلتا ہے کہ معلم، حقیقی طور پر روح کا باپ نہیں ہے، بلکہ یہاں مجازاً ''ابوالروح'' استاذ ہے۔

کنیت کی مثالیں

اَبُوْ عُذْرِهَا : هُوَ الَّذِی افْتَضَّ عُذْرَتَهَا یَعْنِیْ بَعْلَهَا---

''وہ شخص جو پردۂ بکارت کو پھاڑے، یعنی شوہر''---

هُوَ أَبُوْ عُذْرِ هٰذَا الْكَلَامِ---

''وہ اس کلام کا پہلا شخص ہے جس نے یہ بات کی ہے''---[۲۳]

اَبُو الرِّجَالِ — یہ محمد بن عبدالرحمٰن المزنی کا لقب مشہور ہوگیا کہ وہ دس مذکر بچوں کا باپ تھا۔[۲۴]

ابو ایوب	اونٹ: ایک عظیم صحابی کا نام بھی ہے۔
أبو الأضْیَاف	میزبان: مہمان نوازی کرنے والا، نیز ابو مَثْوٰی
ابو جامع	دسترخوان: کہ کھانے والوں کو جمع کر لیتا ہے۔
ابو الحُصَیْن	لومڑی
ابو خالد	کتا
ابو رَزِیْن	ایک قسم کا حلوہ
ابو زَاجِر	کوا
ابو زُهْرَة	گیدڑ
أبو سُلَیْمَان	مرغ، نیز ابو الْیَقْظَان ، أَبُو الْمُنْذِر، Cock

ابُو الْعَلَاءِ	فالودہ، ابوالعلاء معری (المتوفی ۱۰۵۷ء، جس نے قرآن کے جواب ''الفصول و الغایات'' کے عنوان سے لکھا تھا)۔[۲۵]
أبو عَوْن	نمک، ابو صَابِر، Salt
أبو مَالِك	بھوک، بڑھاپا
ابو مُرَّة	شیطان
ابو مَرْيَم	قاضی کا پیادہ
ابو مَشْغُوْل	نر چیونٹی
ابو مُعَاوِية	چیتا
ابو نَعِيْم	روٹی، ابو جَابِر، Bread
ابو يَحْيٰى	موت کا فرشتہ، ملك الموت
ابو كَاسِب	بھیڑیا، Wolf
أبو الْاَشْبَال	شیر، Lion، أبو الحَارِث[۲۶]
أبو الأذَان	حافظ ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ، عمر بن ابراہیم، لُقِّبَ بِذٰلِكَ لِكِبْرِ اُذَانِہٖ، ان کے کان بڑے تھے تو یہ لقب مشہور ہوا۔
ابی اللَّحم	جاہلی زمانے میں، بتوں کے نام پر ذبیحہ کھانے سے انکاری ہوا کرتے تھے۔[۲۷]

بعض لوگ آبی اللحم کو بغیر الف ممدودہ کے سمجھ کر ابی اللحم کو ابو اللحم کے ہم معنی پڑھتے ہیں، جو کہ بالکل غلط ہے۔ الف کے اوپر مد ہے: اَبٰی یَأْبٰی إبَاءً وَ إبَاءَةً فھو أبٍ[۲۸] آب اسم فاعل ہے، ابی اللحم کا معنی گوشت کا انکار کرنے والا۔

علامہ ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ اس شخص کا نام عبداللہ بن عبدالملک تھا، یہ بھی بتایا کہ حویرث ابوعبداللہ نام تھا[۲۹] یہ شخص حلال گوشت کا منکر نہیں تھا، جیسا کہ ابوالعلاء معری کے بارے میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا:

کہتے ہیں کہ کبھی گوشت نہ کھاتا تھا معری
پھل پھول پہ کرتا تھا ہمیشہ گزر اوقات [۳۰]

یہ معری کوئی ولی اللہ نہیں تھا، بلکہ بگڑا ہوا عالم تھا، اس کا اپنا ایک شعر ہے:

ھٰذَا جَنَاہُ اَبِیْ عَلَیَّ

وَمَا جَنَیْتُ عَلٰی اَحَدٍ [۳۱]

’’میرے اوپر میرے باپ کا گناہ ہے، میں نے تو کسی پر زیادتی نہیں کی‘‘---

یہ شادی سے متنفر، مجرد رہا، اس لیے باپ کو قصوروار ٹھہرا رہا ہے کہ میرا وجود میرے باپ کے قصور سے ہوا۔ ویسے معری اپنے وقت کا بہت بڑا ادیب، لغوی، نحوی، شاعر، فلسفی، طنز نگار، معلم اخلاق، قنوطی، لا ادری، زاہد خشک، تارکِ دنیا اور تارکِ حیوانات گزرا ہے۔[۳۲]

نام اور کنیت کی حیثیت

● ......ابوالفرج اصفہانی نے لکھا:

وَلَیْسَ کُلُّ مَنْ کُنِیَ اَبَا بَکْرٍ ھُوَ الصِّدِّیْقُ، وَلَا مَنْ سُمِّیَ عُمَرَ ھُوَ الْفَارُوْقُ، وَ اِنَّمَا الْاَسْمَاءُ عَلَامَاتٌ وَ دَلَالَاتٌ لَا تُوْجِبُ نَسَبًا وَّ لَا تَدْفَعُہٗ---[۳۳]

’’نہ تو کوئی صدیق ہوسکتا ہے، ابوبکر کنیت رکھ کر۔ نہ ہی کوئی فاروق ہوسکتا ہے، عمر نام رکھ کر۔ نام تو صرف شناخت ہوتی ہے جو کہ کسی کے حسب ونسب کو نہ لازم کرتی ہے، نہ اس کا دفاع کرتی ہے‘‘---

● ......کسی عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

مَا عَاشَ مَنْ عَاشَ مَذْمُوْمًا خَصَائِلُہٗ

وَلَمْ یَمُتْ مَنْ یَّکُنْ بِالْخَیْرِ مَذْکُوْرًا

’’بری حرکتوں سے زندگی کوئی زندگی ہے، بلکہ جس کا ذکر خیر مرنے کے بعد جاری رہے، وہ حقیقت میں زندہ ہے، برے کام کرنے والا، اپنی زندگی میں ہی مردہ ہوتا ہے‘‘---

حوالہ جات

۱...... شرح الآجرومیة، ص۵۴

۲...... شرح ابن عقیل، ج۱، ص۴۴

۳...... الصحاح للجوھری، ص۱۶۴۸

۴...... لسان العرب، جلداوّل، ص۴۳

۵...... غیاث اللغات،ص ۷

۶...... مصباح اللغات/ المنجد مترجم اردو،ص ۴۷

۷...... مشکوٰۃ محقق البانی، جلداوّل،ص ۸۳

۸...... المنجد فی اللغۃ ،ص ۲

۹...... بصائر ذوی التمییز فی لطائف الکتاب العزیز، جلددوم،ص ۴ تا ۶

۱۰...... مصباح اللغات،ص ۵۷۴/ المنجد مترجم اردو،ص ۶۷۹

۱۱...... لسان المیزان، ج ۱۳،ص ۱۲۳

۱۲...... المنجد ،ص ۴۷

۱۳...... فیروز اللغات اردو،ص ۹۴

۱۴...... فیروز اللغات اردو،ص ۱۰۳۸

۱۵...... فیروز اللغات اردو،ص ۱۱۵۸

۱۶...... شرح ابنِ عقیل، جلداوّل،ص ۱۱۹/ نیز: الصّحاح للجوھری،ص ۱۷۹۸

۱۷...... لغات الحدیث، جلد چہارم،ص ۱۰۰

۱۸...... المنجد ،ص ۱۰۷ تحت المادۃ

۱۹...... معجم اصطلاحاتِ حدیث،ص ۲۸۱

۲۰...... المعارف لابن قتیبہ،ص ۲۵۹

۲۱...... ادب الدنیا و الدین،ص ۷۷

۲۲...... سورۃ الحجر،۱۵:۲۹

۲۳...... المنجد مترجم

۲۴...... المُقْتَنٰی، ذہبی، جلداوّل،ص ۲۶۶

۲۵...... رمز اغیانی، ڈاکٹر غلام جیلانی برق،ص ۱۵۲

۲۶...... مصباح اللغات ، المنجد، مترجم، المورد

۲۷...... مصباح اللغات ، المنجد، مترجم، المورد،ص ۴۴/ کشف النقاب لابن الجوزی، جلداوّل،ص ۴۷

۲۸...... المنجد (عربی)

۲۹...... کشف النقاب ، جلداوّل،ص ۴۴

۳۰...... بال جبریل،ص ۱۳۳

۳۱...... شرح بال جبریل،ص ۲۰۷

۳۲...... شرح بال جبریل،ص ۲۰۷

۳۳...... کتاب الاغانی ، ج ۶،ص ۲۲۴

❀❀❀❀❀

فضائی سفر کی باطنی کیفیات

عبدالرؤف

کافی عرصہ بعد گزشتہ سال لاہور سے کراچی فضائی سفر کا موقع ملا۔ اِس سے پہلے ۱۹۹۰ء میں حج کا سفر کیا تھا، جس کے بعد فضا میں سفر کا یہ دوسرا موقع تھا۔ سفر کے بارے میں ایک مقولہ ہے کہ یہ وسیلۂ ظفر (کامیابی) ہوتا ہے، لیکن میرا یہ سفر اِس سے بھی بڑھ کر آخرت کی یاددہانی کا باعث بنا۔

جب میں لاہور کے ہوائی اڈے کی عمارت میں داخل ہوا تو ایک جاننے والے کے توسط سے وہاں پر ملازم لڑکا بطور مددگار مل گیا، جس کی راہنمائی میں اپنے سامان کی بکنگ کروائی اور بورڈنگ کارڈ حاصل کیا۔ اس کے بعد جہاز کی طرف اکیلے جاتے ہوئے میری نگاہوں میں وہ منظر آ گیا کہ جب ہم اپنے کسی عزیز کو جنازہ پڑھانے کے بعد قبر کے حوالے کرتے ہیں تو دفن کرنے کے بعد سب لوگ واپس لوٹ آتے ہیں اور وہ اکیلا ہی منکر نکیر کے سوالات کا سامنا کرتا ہے، اُس کے لواحقین تو زیادہ سے زیادہ قبر پر کھڑے ہو کر اس کی ثابت قدمی کے لیے دعا ہی کر سکتے ہیں۔ بالکل اسی طرح طیارے کے مسافروں کے لواحقین بھی ایئرپورٹ کی عمارت کے باہر کھڑے ہو کر اُن کے محفوظ سفر کی دعا ہی کر سکتے ہیں۔ جب طیارہ محوِ پرواز ہوا تو آغاز میں لاہور شہر کی سڑکیں اور عمارتیں صاف نظر آ رہی تھیں، لیکن جوں جوں طیارہ اوپر اٹھتا چلا گیا تمام چیزیں چھوٹے چھوٹے تنکوں کی شکل اختیار کرتی چلی گئیں، یہاں تک کہ اب ہر طرف بادل ہی بادل نظر آنے لگے۔ مجھے یوں احساس ہوا کہ جو زمین ہمیں بہت بڑی

نظر آتی ہے، اللہ کی پوری کائنات کے مقابلے میں تو یہ بہت ہی چھوٹی ہے۔تب میرے ذہن میں نظامِ شمسی کا وہ سارا نقشہ گھومنے لگا جو کافی عرصہ پہلے ایک ڈاکیومنٹری میں دیکھا تھا۔

اُس میں بتایا گیا تھا کہ اِس کائنات کی وسعت کا اندازہ اِس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ نظامِ شمسی اس میں ایک نقطے (Dot) کی طرح نظر آ رہا ہے۔ اِس کہکشاں کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچنے کے لیے ایک لاکھ نوری سال چاہییں۔ روشنی، ایک سیکنڈ میں تقریباً تین لاکھ کلومیٹر یا ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کی رفتار طے کرتی ہے۔ جب اِس کو ساٹھ سے ضرب دیں تو پتہ چلے گا کہ روشنی نے ایک منٹ میں کتنا سفر طے کیا۔ اس حاصل ضرب کو ساٹھ سے ضرب دینے سے پتہ چلے گا کہ روشنی نے ایک گھنٹہ میں کتنا سفر طے کیا۔ اِس حاصل ضرب کو چوبیس سے ضرب دینے سے معلوم ہوگا کہ روشنی نے ایک دن میں کتنا سفر طے کیا۔ اس حاصل ضرب کو تیس سے ضرب دینے سے معلوم ہوگا کہ روشنی نے ایک ماہ میں کتنا سفر طے کیا، جب کہ اس کے حاصل ضرب کو بارہ سے ضرب دینے سے پتا چلے گا کہ ایک سال میں روشنی نے کتنا سفر طے کیا۔

ایک سال میں روشنی جتنا سفر طے کرتی ہے اُس کو ایک نوری سال (Light Year) کہا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ اگر ہم ایک ایسا راکٹ بنا لیں جو روشنی کی رفتار سے چلے تو اِس کہکشاں کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچنے کے لیے ہمیں ایک لاکھ سال لگیں گے۔ اِس کہکشاں میں مرکز سے تیس ہزار نوری سال کے فاصلے پر واقع ہمارا نظامِ شمسی ہے۔ اس میں سب سے بڑا سورج پھر اس کے تمام سیارے جن میں ایک زمین ہے۔ زمین کے لگ بھگ دو تہائی حصے پر پانی، جب کہ ایک تہائی حصے میں حضرتِ انسان۔ پوری کائنات میں انسان کی حیثیت کا اندازہ لگائیں تو یہ تعداد نہ ہونے کے برابر (Negligible Quantity) ہے، گویا ہمارا کوئی وجود ہی نہیں۔ اس کے باوجود میرا تکبر، میری اَنا یعنی میں، میرا یہ، میرا وہ، میری بات کیوں نہیں مانی گئی، میری بات کیوں نہیں سنی گئی، میری بات کو کیوں اہمیت نہیں دی گئی!

اِس سوچ میں گم تھا کہ طیارے میں کچھ نزولی حرکت محسوس ہوئی اور پھر اعلان ہوا کہ کچھ ہی دیر میں ہم کراچی کے انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر اترنے والے ہیں۔ جب طیارہ ٹرمینل پر آ کر رکا تو ایسے محسوس ہوا جیسے قبر سے نکل کر میدانِ حشر میں جمع ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ آخرت کے سفر کی پہلی منزل یعنی قبر کے متعلق حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل یہ تھا کہ

جب بھی کسی قبر کے پاس سے گزرتے تو آنکھوں میں ساون کی جھڑی لگ جاتی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دریافت کرنے پر بتاتے کہ قبر کو دیکھ کر میں اس لیے روتا ہوں کہ یہ آخرت کے سفر کی پہلی منزل ہے۔ ہم بھی اِس پہلی منزل سے نکل کر اگلی منزل کی طرف رواں دواں ہو گئے۔

کچھ ہی دیر بعد مسافر سامان والی بیلٹ کے گرد بالکل ایسے کھڑے تھے جس طرح احادیث میں اُن مال دار لوگوں کا ذکر آتا ہے جو چاہے مومن ہوں یا کافر، انہیں اپنی ایک ایک چیز کا حساب دینا ہوگا، تب کہیں اِس مشکل مرحلے سے گزر سکیں گے۔ البتہ وہ مسافر جس کے پاس صرف کوئی دستی بیگ، پرس یا شاپر تھا، انہیں اپنا سامان لینے کے لیے رکنا ہی نہ پڑا، ان مومنین صادقین کی طرح جو ہلکے پھلکے ہونے کی وجہ سے بغیر کسی حساب کتاب ہی کے جنت میں چلے جائیں گے۔ میرے پاس اپنا ذاتی سامان تو بہت مختصر تھا، جو میرے ہاتھ ہی میں تھا، لیکن دینی کتابوں کا بیس کلوگرام پر مشتمل ایک کارٹن بُک کرایا ہوا تھا، جو میں نے اُسی قطار میں لگ کر لینا تھا۔

اِس موقع پر مجھے خیال آیا کہ اگر حشر کے میدان میں بھی میری پیشی اِسی طرح دینی کتابوں کے بنڈل کے ساتھ ہوگئی تو میرے پاس کوئی عذر تو ہوگا، جس کی وجہ سے مجھے اللہ تعالیٰ معاف فرما کر جنت میں بھیج دے، لیکن پھر ایک دم حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ یکے از عشرہ مبشرہ کا نقشہ ذہن میں گھوم گیا۔ مسند احمد کی ایک روایت میں سیّدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ الفاظ آئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

''میں جنت میں داخل ہوا تو میری ساری اُمت ایک ایک کر کے میرے سامنے پیش کی گئی اور لوگ گزرتے گئے، مجھے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ دکھائی نہ دیے، میں اُن کی طرف سے مایوس ہو چکا تھا کہ وہ آ گئے۔ میں نے کہا:

عبدالرحمٰن! تم کہاں رہے؟---

انہوں نے کہا: اللہ کے رسول! میرے والدین آپ پر فدا ہوں، اُس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، میں آپ تک بمشکل پہنچا ہوں۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ اب میں بہت زیادہ مشکلات کے بعد ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت کر سکوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: وہ کیوں؟ انہوں نے کہا: مال و دولت کی کثرت کی وجہ سے میرا بہت سخت حساب لیا گیا اور کوتاہیوں سے پاک کیا گیا''---

اس کا تو یقیناً کوئی امکان نہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کے مال میں کسی حرام کی آمیزش ہو یا انہوں نے اپنا مال ادائے حقوق اور انفاق فی سبیل اللہ کے علاوہ کسی بھی قسم کے اسراف، تبذیر یا فضول خرچی میں لگایا ہو، لیکن اس کے باوجود یہ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بتا رہی ہے کہ مال دار آدمی چاہے صحابیٔ رسول اور یکے از عشرہ مبشرہ ہی کیوں نہ ہو، مال کے کمانے اور خرچ کرنے کا حساب اُس سے بھی لیا جائے گا۔ ایسے میں ہمارے جیسے حقیر پُر تقصیر انسانوں کی کیا وقعت ہے کہ دنیا میں مال اور جائیدادیں بھی بنائیں، حرام پر مبنی نظامِ معیشت کے اندر پھلنے پھولنے کی بھی کوشش کریں اور پھر اللہ سے یہ اُمید بھی لگائے رکھیں کہ ہمیں یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا۔

اپنا سامان لے کر ایئر پورٹ کی حدود سے باہر نکلتے ہوئے ایک اور منظر میرے سامنے آیا اور وہ یہ کہ لاؤنج میں ایک مذہبی سیاسی جماعت کے ایک دھڑے کے سربراہ اکیلے ہی بیٹھے ہوئے تھے، جس سے میرے سامنے سورۃ مریم کی یہ آیت آ گئی:

وَ کُلُّھُمْ اٰتِیْہِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾---

''اور (قیامت کے دن) سب کے سب آنے والے ہیں اُس کے پاس اکیلے اکیلے''---

سفرِ آخرت کے ساتھ فضائی سفر کی ایک اور مشابہت یوں سامنے آ گئی کہ ایئر پورٹ کے اندر ایک وی وی آئی پی (VVIP) لاؤنج بھی ہوتا ہے، جہاں سے کچھ بڑی شخصیات کو بغیر کسی چیکنگ کے گزارا جاتا ہے اور وہ بڑے سکون و اطمینان کے ساتھ خصوصی سہولیات کا مزا لیتے ہوئے اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو جاتے ہیں۔ پھر جب کسی دوسرے ملک میں جا کر اُترتے ہیں تو وہاں نہ صرف انہیں توپوں کی سلامی دی جاتی ہے بلکہ اس کے ساتھ گارڈ آف آنر بھی پیش کیا جاتا ہے۔ اُس ملک کا صدر، وزیر اعظم یا ان کا کوئی خصوصی نمائندہ پُر تپاک استقبال کرتے ہوئے سرخ قالین سے گزار کر گاڑی میں بٹھاتا ہے اور سپیشل سکیورٹی کے ساتھ ہٹو بچو کی صداؤں میں ایوانِ صدر کی عمارت میں لے جایا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی میرے ذہن میں سورۃ الزمر کی آیات ۷۳ اور ۷۴ کے الفاظ گونجنا شروع ہو گئے:

وَ سِیْقَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّھُمْ اِلَی الْجَنَّۃِ زُمَرًا ط حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوْھَا وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُھَا وَ قَالَ لَھُمْ خَزَنَتُھَا سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْھَا خٰلِدِیْنَ ﴿۷۳﴾ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَہٗ وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّۃِ

حَيْثُ نَشَاءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۷۴﴾---

''اور لے جایا جائے گا اُن لوگوں کو جنت کی طرف جو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کیے رہے تھے گروہ در گروہ، یہاں تک کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے اور اُس کے دروازے (پہلے ہی) کھولے جا چکے ہوں گے اور اُس کے داروغہ اُن سے کہیں گے کہ آپ پر سلام ہو، آپ لوگ کتنے پاک باز ہیں، اب داخل ہو جایئے اس میں ہمیشہ ہمشہ رہنے کے لیے۔ اور وہ کہیں گے کہ کل حمد اور کُل شکر اُس اللہ کے لیے ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور ہمیں اُس زمین کا وارث بنا دیا کہ اب ہم گھر بنا لیں جنت میں جہاں چاہیں، تو بہت ہی اچھا ہو گا اجر عمل کرنے والوں کا''---

غالباً ایسے ہی لوگوں کا ذکر سورۃ الانبیاء کی ان آیات میں آیا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَ هُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾---

''یقیناً وہ لوگ جن کے لیے ہماری طرف سے پہلے ہی بھلائی کا فیصلہ ہو چکا ہے وہ اس (جہنم) سے دُور رکھے جائیں گے۔ وہ بڑی گھبراہٹ انہیں پریشان نہیں کرے گی اور فرشتے اُن سے ملاقاتیں کریں گے (یہ کہتے ہوئے کہ) یہ ہے آپ لوگوں کا وہ دن جس کا آپ سے وعدہ کیا گیا تھا''---

دنیا کا چند روزہ پروٹوکول تو اچھے برے سب لوگوں کو ہی مل جاتا ہے، بلکہ اچھے لوگوں کی نسبت شیطانی و طاغوتی غلبے کی وجہ سے بُرے لوگوں کو ہی زیادہ ملتا ہے، لیکن آخرت کا پروٹوکول ہر شخص کے لیے نہیں ہو گا۔ اُس کے لیے جن خصوصیات کی ضرورت ہے، اُس کی مماثلت دنیا کی سات بڑی طاقتوں کے ساتھ بڑی واضح ہے، جنہیں G-7 کا نام دیا جاتا ہے۔ طاغوتی نظام کے سب سے بڑے سہولت کار ہونے کے ناطے دنیا کی تیز ترین دھوپ میں بھی جس طرح یہ ہر وقت سائے میں رہتے ہیں، بالکل اِسی انداز میں اللہ تعالیٰ حشر کے میدان کی تیز ترین دھوپ میں بھی سات قسم کے لوگوں کو ہی اپنا سایہ نصیب فرمائے گا، جن کا ذکر بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث میں اس انداز سے کیا گیا ہے کہ:

''سات خوش نصیب ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اُس روز اپنا سایہ

نصیب فرمائے گا، جس روز اُس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا:

1. عادل حکمران۔
2. وہ نوجوان جو اللہ کی عبادت میں پروان چڑھا۔
3. وہ آدمی جس کا دل مسجد کے ساتھ معلّق ہے۔
4. دو ایسے آدمی جو اللہ کی رضا کی خاطر باہم محبت رکھتے ہیں۔ اسی بنیاد پر وہ آپس میں ملتے ہیں اور اسی پر جدا ہوتے ہیں۔
5. وہ آدمی جسے کسی باحیثیت اور حسین دوشیزہ نے برائی کی دعوت دی تو اُس نے کہا: ''میں اللہ سے ڈرتا ہوں''---
6. وہ آدمی جس نے صدقہ کیا تو اُسے اس قدر مخفی رکھا کہ اُس کا بایاں ہاتھ نہیں جانتا کہ اُس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔
7. وہ آدمی جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا تو اُس کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں''---

اس فیصلے کا اختیار ہمارے ہاتھ میں ہے کہ ہم دنیا کا چند روزہ سایہ حاصل کرنا چاہتے ہیں، جس کے بعد ہمیشہ کے لیے صرف دھوپ ہی نہیں بلکہ دہکتی ہوئی آگ ہماری منتظر ہے یا پھر دنیا کی چند روزہ دھوپ برداشت کر کے حشر کے میدان میں عرشِ الٰہی کا سایہ اور اس کے بعد ہمیشہ کے لیے جنت کے باغات میں رہنا چاہتے ہیں! فرق صرف یہ ہے کہ فرمانِ رسول ﷺ کے مطابق:

''جہنم کو خوش نما چیزوں اور خواہشات سے گھیر دیا گیا ہے جب کہ جنت کو ناپسندیدہ اور تکلیف دہ چیزوں سے گھیر دیا گیا ہے''---

لہٰذا دنیا کے اِس سفر میں اگر خواہشات کے پیچھے لگے رہے تو پھر جنت کا حصول مشکل ہوتا چلا جائے گا۔ اِس لیے جہاں آغاز میں اردو محاورے سفر وسیلۂ ظفر کا ذکر کیا گیا تھا، اختتام پر عربی محاورے اَلسَّفَرُ قِطْعَۃٌ مِنَ النَّار کو سامنے رکھتے ہوئے دنیا کی زندگی دجال کی تیار کردہ دوزخ میں گزارنے کا فیصلہ کرلیں تو آخرت میں امید ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فضل شامل حال ہو جائے گا اور ان الفاظ سے استقبال کیا جائے گا:

اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ ﴿۴۶﴾---[الحجر]

[بشکریہ ماہ نامہ میثاق، لاہور]

❁❁❁❁❁

پیکرِ مہر و مودّت

حضرت پیر سائیں سردار احمد عالم رحمۃ اللہ علیہ

مدینہ منورہ میں حاضر تھا کہ 15/مارچ 2024ء کی شام پیرِ طریقت حضرت صاحبزادہ سائیں سردار احمد عالم کے وصال کی جان کاہ خبر صاعقہ بن کر گری--- اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

پیر صاحب میرے بھائیوں ایسے دوست اور دوستوں جیسے بھائی تھے--- انؔ سے گزشتہ 46 سال سے برادرانہ مراسم تھے، خدانے چاہا تو کسی وقت تفصیلی تاثرات تحریر کروں گا--- 25/مارچ کو سفرِ مقدس سے واپسی ہوئی تو ماہ نامہ نور الحبیب کی کاپیاں پریس بھجوائی جارہی ہیں، سو مختصر تعزیتی کلمات پر اکتفا ہے---

بلاشبہ قحط الرجال کے اس پُرفتن دَور میں حضرت کا وجود باوجود مغتنمات میں سے تھا--- وہ خلوص و وفا اور مہر و مودّت کے پیکر تھے--- ان کی شخصیت دینی غیرت و حمیت، خلوص وللّٰہیت، کرم و مروّت، نظافت و نفاست، سادگی و بے تکلفی، ذوقِ مہمان نوازی، خوش مزاجی، دل داری و ملن ساری، کریمانہ اطوار اور مومنانہ مکارم اخلاق کی مرقع تھی---

وہ درسِ نظامی پر مکمل مہارت کے ساتھ ساتھ بحرِ تصوف و طریقت کے شناور تھے، انھیں درسِ مثنوی مولانا روم پر عبور حاصل تھا--- ان کی گفتگو ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کے مصداق تھی--- اللہ تعالیٰ انھیں اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور ان کے اہلِ خانہ، مریدین، معتقدین اور محبین کو صبرِ جمیل سے نوازے---

ان کی رحلت سے پیدا ہونے والا خلا مدتوں پُر نہیں ہو سکے گا--- ان کی محبت بھری یادیں اربابِ عشق و محبت اور شیدایانِ علم و معرفت کو ہمیشہ تڑپاتی رہیں گی--- اللہ تعالیٰ ان کے جانشین حضرت صاحبزادہ اویس احمد قادری کو اپنے بزرگوں کی تابندہ روایات جاری رکھنے اور آستانہ عالیہ کی ذمہ داریاں نبھانے کی توفیق ارزانی فرمائے--- آمین یارب العٰلمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(صاحبزادہ) محمد محبّ اللہ نوری

❀❀❀❀❀

دانائے راز و دِل نواز

حضرت خواجہ سائیں سردار احمد عالم قادری رحمۃ اللہ علیہ

پروفیسر محمد افتخار سیال

مالک الملک وحدہٗ لاشریک الٰہ العالمین کی مخلوق میں اس کے مخصوص نفوسِ قدسیہ ہیں، جن کے بارے میں فرمایا:

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًاo---[الکہف،۱۸:۶۵]

''تو ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا، جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی اور اسے اپنا علم لدنی عطا کیا''---

اور یہی ذواتِ قدسیہ کائناتِ ہست و بود میں تاجدار اور وارث حقیقی ہیں۔

فرمانِ عالی شان ہے:

وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَo---[الانبیاء،۲۱:۱۰۵]

''اور بے شک ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا کہ اس زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے''---

انھی ذواتِ بے مثل میں یادگارِ اسلاف سراپا عجز و نیاز، خادم دینِ متین، خوشبوئے

حضرت جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ، سوز وسازِ جامی رحمۃ اللہ علیہ، تاثیر حکیم الامت حضرت اقبال رحمۃ اللہ علیہ، جناب صاحبزادہ سردار احمد عالم قادری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

آپ کی ولادت باسعادت 1950ء کو کھر پیڑ شریف (قصور) میں پیکرِ استقامت، تصویر اولیاءِ کاملین حضرت خواجہ سائیں محمد اشرف لالہ پاک رحمۃ اللہ علیہ کے گھر ہوئی، آپ کا نام حضرت شیخ الحدیث استاذ الامت مولانا سردار احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے آپ کے والدگرامی نے سردار احمد رکھا، جب کہ ''عالم'' کا لقب آپ کے مرشد گرامی جنید دوراں، عکس حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ جناب سائیں سید غلام رسول گیلانی قادری رحمۃ اللہ علیہ آف کھوہ پاک شریف نے ملقب فرمایا۔

بچپن میں اپنے دادا محترم حضرت خواجہ محمد عظیم پاک رحمۃ اللہ علیہ کے زیر نظر نو سال تک رہے، اپنے والد گرامی سے قرآن مجید، ابتدائی تعلیم اور فارسی کی تعلیم حاصل کی، جب کہ پرائمری تعلیم گورنمنٹ سکول کھر پیڑ شریف اور مڈل تعلیم گورنمنٹ سکول سہجو وال میں حاصل کی۔ میٹرک تک گورنمنٹ ہائی سکول پتوکی سے تعلیم حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں ماسٹر غلام محمد صاحب اور چودھری صابر صاحب شامل ہیں، دینی تعلیم کے لیے دار العلوم اسلامیہ رحمانیہ (چھوہر شریف) ہری پور ہزارہ میں ملک المدرسین حضرت مولانا عطا محمد گولڑوی بندیالوی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الحدیث مولانا عبد الحکیم شرف قادری اور مفتی عطا محمد قادری (حاصل پور والے) سے تعلیم دین حاصل کی۔ ملک المدرسین کی بندیال شریف ہجرت کی وجہ سے آپ نے بھی جامعہ مظہریہ بندیال شریف کی طرف رختِ سفر باندھا، جہاں آپ نے ملک المدرسین، رازیٔ دوراں حضرت مولانا عطا محمد بندیالوی اور مولانا عبد الحق بندیالوی رحمۃ اللہ علیہما سے خیر آبادی سلسلہ کی تکمیل کی اور منطق، فلسفہ اور درس نظامی کی اجلہ کتب کو پڑھا۔ اس کے بعد جامعہ قادریہ فیصل آباد میں زیورِ تعلیم سے مزین ہوئے، جہاں مولانا عبد الرشید جھنگوی رحمۃ اللہ علیہ سے عقائد، انشاء وغیرہ بڑی محنت اور انہماک سے پڑھی۔ دورانِ تعلیم حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیات سے بھی زیارت و رابطہ رہتا۔ بعد ازاں جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور سے دورہ حدیث شریف کی تکمیل کی۔ اساتذہ میں مولانا عبد الحکیم شرف قادری اور مولانا عبد الحی رحمۃ اللہ علیہما شامل ہیں۔ عربی ادب اور علوم عصریہ پروفیسر ڈاکٹر صوفی ضیاء الحق صاحب اور پروفیسر محمد حسن قادری صاحب سے صرف ونحو میں مہارتِ تامہ حاصل کی۔

آپ کے ہم سبق حضرات میں حضرت صاحبزادہ مفتی پیر محمد محبّ اللہ نوری صاحب

بصیر پور شریف، صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر الوری صاحب، پروفیسر ڈاکٹر محمد نواز الحسنی، مولانا غلام محمد سیالوی صاحب، حضرت فقیر محمد اسماعیل حسنی صاحب، مولانا فقیر عبدالرحمٰن صاحب، پروفیسر ڈاکٹر غلام معین نظامی صاحب، استاذ العلما محمد رشید نقشبندی کشمیری صاحب اور مفتی محمد ابراہیم (سکھر، سندھ) وغیرہ شامل ہیں۔

تکمیلِ علم کے بعد 1987ء میں مدرسہ جامعۃ الحبیب کی بنیاد رکھی، آپ اور آپ کے والدگرامی نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ و حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہما السلام کی طرح جامعہ کی بنیاد خلوص و ورع اور عشق مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رکھی، جس میں نظامت کے ساتھ ساتھ خود بھی تدریس فرماتے رہے۔ تفسیر قرآن اور منطق و فلسفہ کی تدریس میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ آپ نے جامعہ کی نظامت اور اہتمام میں کئی خاص عناصر کو شامل کیا، جس میں طلباء کو جدید تعلیم کے ساتھ غیر نصابی سرگرمیوں کو بھی شامل کیا۔ مدرسہ میں صدقہ و خیرات خصوصاً زکوٰۃ اور طعام میت کے قریب بھی طلبہ کو نہ جانے دیتے، کیونکہ طلباء میں بعض ساداتِ کرام بھی سفرِ علم کے راہی تھے اور علی الاخص طلبہ کی کردار سازی میں طمع و لالچ سے پرہیز کی تصویر پیش کر کے ان کو خلوص و للّٰہیت کی دولت سے مالا مال کرنا مقصدِ اوّلین رہا۔

طلبہ کی ہمہ وقت خدمت اور توجہ کے لیے آپ نے اپنی رہائش کو دربارِ عالیہ سے مدرسہ میں ہی منتقل کر لیا اور طلباء کے قیام و طعام میں نہ صرف بہترین مثال پیش کی، بلکہ ان کو کم ظرفی اور طمع سے مکمل گریز کی تلقین کرتے۔ آپ ہر وقت خدمتِ دین میں وفا اور نفاست کو ملحوظِ خاطر رکھتے تھے، اپنا لیکچر دیتے وقت روحِ دین اور واقعاتِ صبر و استقامت میں صحابہ کرام، اہلِ بیتِ اطہار اور اولیاء امت کے واقعات پیش کر کے طلبہ پر کیف اور سرور طاری کر دیتے تھے۔ طلبہ کی حوصلہ افزائی میں ہر بات پر ان کو انعام دینا اور تحسین کرنا آپ کی خوبصورت روایت تھی، طلبہ کے لیے عمدہ ترین کھانا اور ان کے لیے دودھ، دہی اور اکثر پھل اور مٹھائی وغیرہ کا بڑا وسیع انتظام فرماتے تھے۔ تعلیمی امتحانات اور بورڈ میں پوزیشن ہولڈر طلبہ کی عمدہ ترین لباس، وظیفہ سے حوصلہ افزائی کرتے اور بعض اوقات ان کے تفریحی دورے اور سیر کا بھی اہتمام فرماتے تھے، خصوصاً بیمار پرسی اور دوستوں کے ساتھ رابطہ اور خوشگوار تعلق اور ماحول کے لیے ہمہ وقت اپنے عمل سے دوسروں کو متاثر کرتے۔ آپ کی فطرتِ سلیمہ میں غریب پروری اور عیبوں پر پردہ پوشی، طلبہ کے ساتھ بے تکلفی و مزاح اور اکثر شعری ذوق آپ کی عادت کریمہ تھی۔ طلبہ کی بیماری اور علاج میں آپ سراپا کرب و درد والی حالت اختیار کر لیتے تھے،

ان کو ہسپتال خود لے جاتے اور ان کی خدمت میں منہمک ہو جاتے۔

تبلیغِ دین اور وعظ و امامت میں معاوضہ کو بالکل پسند نہ کرتے، ذہن اور دل کا غنی عالم و طالب آپ کو محبوب و مطلوب ہوتا تھا۔ آپ کے والد گرامی 1989ء سے 1995ء تک مسلسل علیل رہے، اس عرصہ میں کسی لمحہ بھی آپ نے علاج و خدمت کے فریضہ کو ایک لمحہ کے لیے بھی نظر انداز نہ فرمایا۔ حضرت کے علاج کے لیے قابل ترین ڈاکٹرز اور اطبا سے مہنگا ترین علاج کراتے رہے اور خدمتِ والدین میں کبھی بھی تعطل یا غفلت نہ برتی۔ والد گرامی کی خدمت میں عجز و نیاز کی تصویر بنے رہتے۔ حضرت کے مزاج مبارک اور موقع کی مناسبت سے احادیث شریفہ، آیاتِ مقدسہ اور اشعار پیش کر کے آپ سے تحسین وصول فرماتے تھے۔ بچپن سے ہی عمر رسیدہ بزرگوں اور راہِ محبت کے خوگر درویشوں کے پاس بیٹھنا، ان کو اپنے پاس بلا کر ان کی خدمت کرنا، واقعاتِ صوفیہ اور تاریخی سوانح کو سننا اور خصوصاً شعری ذوق اور کلام صوفیہ سے بہت محظوظ ہوتے۔

19/اپریل 1995ء میں آپ کے والد محترم کا انتقال ہوا تو خاندان اور مرشد خانے کے فیصلے کے مطابق آپ کو سجادہ نشینی کے منصب پر فائز کر دیا گیا، جس کی وجہ سے آپ واپس دربار عالیہ کھرپڑ شریف منتقل ہو گئے۔ آپ نے اسلاف اور سلسلہ عالیہ سے وابستہ بزرگوں اور بوڑھوں کی خدمت کو کبھی فراموش نہ کیا، بلکہ اپنا فرضِ اوّلین سمجھا۔ ہمہ وقت آستانہ عالیہ پر حاضر رہنا، اپنے معمولات میں عبادت و تبلیغ اور خدمت انسان آپ کا وطیرہ رہا۔ لنگر خانہ کی تعمیر و ترقی میں آپ نے پوری زندگی وقف کر دی، جس پر آپ گھریلو مصروفیات کو کبھی خاطر میں نہ لاتے۔ تبلیغ دین اور مدارس کی خدمت کے علاوہ آپ کی طبع مبارک میں کسی شغل دنیا کی طرف رغبت نہ تھی۔ علماء و مشائخ کی تحسین فرمانا، ان کی خدمت و تواضع میں اپنا ثانی نہ رکھتے، اتحادِ اہلِ سنت کے لیے ہر وقت متفکر رہتے، علماء کے باہمی نزاع میں ہمیشہ آپ نے پورے ملک سے ذمہ دار علماء سے رابطہ کر کے ان کو راہِ اعتدال اور صلح جوئی کے راستوں کو ہموار کرنے میں پوری زندگی وقف کر دی۔ مختلف شہروں میں مستند علمائے کرام کے پروگراموں میں نہ صرف جلسوں کا انعقاد بلکہ ورکشاپس اور سہ روزہ و ہفت روزہ پروگرام بھی منعقد کرواتے رہے اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے طبقات کو شمولیت پر زور دیتے اور پورا خرچ اپنی جیبِ خاص سے ادا فرماتے اور استقامت کے ساتھ ان پروگراموں میں تشریف فرما ہوتے اور سامعین و حاضرین پر مسلسل توجہ کر کے ان کی نفسیات اور ذوق کو ملحوظ رکھتے۔

علماء و مشائخ کی ضیافت اور خدمت میں اپنی نفاست اور خلوص کا اظہار کرنے پر ہی

اکتفانہ کرتے بلکہ ان کو رخصت کرتے وقت نذرانہ اور تحائف پیش کر کے ان کے سامنے سراپا عجز و نیاز کی تصویر بن جاتے۔تبلیغ دین خصوصاً مجالس اور جلوسوں میں تشہیر واشتہارات میں تصاویر والقاب اور تکلف کے قطعاً مخالف تھے اور ہمیشہ اس سے بیزاری ونفرت کا اظہار فرماتے۔ روایتی گلوکار نعت خواں اور بے علم وعمل واعظین سے ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے۔ واعظین حضرات میں شیخ القرآن مولانا عبدالغفور ہزاروی،مولانا اشرف سیالوی،علامہ سعید احمد اسعد، مولانا عبدالتواب صدیقی،مولانا رضا ثاقب مصطفائی،سید حامد سعید شاہ کاظمی،شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری،علامہ اجمل رضا قادری،ڈاکٹر سلیمان مصباحی،مفتی خان محمد قادری وغیرہ ہر مستند عالم جو کہ علمی وجامع خطاب کا ماہر اور غنا اور دھڑلے سے عاری گفتگو کرے، اسی طرح نعت خوانوں میں قاری خوشی محمد الازہری، جناب ثناء اللہ بٹ،سید منظور الکونین شاہ، حضرت اعظم چشتی، لالہ جعفر علی پٹواری،جنید فخر اور علی رضا قادری صاحبان کو ترجیح دیتے۔ علماء میں تمام محاذوں پر محنت کرنے والے افراد پر ہمہ وقت زور دیتے۔

آپ نفاست اور خوش پوشی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے،اپنی لطیف طبع اور معطر دماغ میں نازک مزاج شاہاں تابِ سخن ندارد کی مثال تھے۔

مراکز اہلِ سنت کی خبر گیری میں وہاں پر حاضری کو پوری عمر حرزِ جاں بنایا،مزارات اولیاءِ کرام پر جب حاضری پر جاتے تو آپ کی کیفیت اور حضوریٔ قلب دیدنی ہوتا۔

فنونِ لطیفہ اور تعمیر مساجد ومزارات میں آپ کی نفاست،عمدگی اور پختگی کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔وسیع القلبی اور راہِ خداوندی میں خرچ کرنے میں اپنے مرشد بے بدل حضرت سید غلام رسول شاہ گیلانی صاحب کے فرمان کی مثال بن کر مشعلِ راہ بنے، جو فرمایا کرتے تھے خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنی عمدہ اور قیمتی شے کو پیش کرنا ہی قربِ خداوندی کی علامت ہے۔ خدمتِ دین میں سیاست کو بھی آپ نے نظر انداز نہ فرمایا، بلکہ پڑھی لکھی اور غیرت مند محبّ وطن قیادت کی تائید کرتے اور اس کو غالب کرنے کی کوشش کرتے تھے۔علماء، سیاست دانوں اور خصوصاً دنیا پرست پیرانِ عظام سے بیزاری کا اظہار فرماتے تھے۔آپ کے فیض یافتہ علماء، مدرسین،حفاظ،قراء اور متوسلین حضرات کی ایک تربیت یافتہ اور مشن سے مخلص مستقل مزاج افراد کی جماعت تیار کرنے میں عمر بسر کر دی:

میں نے سینچا ہے محبت کا چمن دل کے لہو سے
غنچے میری امید کے کبھی مرجھا نہیں سکتے

آپ اکثر اس شعر کو دہراتے، اسی کی عملی تصویر پیش کی، اپنے علاقہ، خاندان اور سلسلہ سے وابستہ حضرات کی عزت و توقیر میں کوئی کسر نہ چھوڑتے، غریب پروری اور مسکین نوازی میں صحابہ کرام کی مبارک زندگیوں کو مشعل راہ بنایا، صبر و تحمل اور ابتلاء میں ثابت قدمی آپ کی پوری زندگی کا خلاصہ تھا، خصوصاً علالت اور ضعف میں آپ کو 1997ء سے ذیابیطس کا مرض لاحق ہوا، جس کا سبب آپ کا متفکر اور پریشان رہنا تھا۔ اس پر ضعفِ بصارت بھی ہوا، بعد میں بواسیر کا عارضہ لاحق ہوا، جس کی وجہ جناب کا مسلسل بیٹھنا، مطالعہ کرنا اور ملاقات عوام میں اپنے آرام و خوراک کا خیال نہ رکھنا اس کی اصل وجہ تھی۔ امراضِ معدہ میں شدت کی وجہ بھی آپ کا مسلسل محنت شاقہ اور آرام و سکون سے بے توجہی تھی۔ وفا اور دوستوں کے ساتھ پرخلوص جذبات کو عملی جامہ پہنانا آپ کی زندگی کا خلاصہ تھا، ہر ایک کی پریشانی اور مایوسی پر خود حزن اور ملال کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

سید العالمین ﷺ کا فرمانِ عالی شان ہے کہ آدمی کے نام میں اس کی فطرت و عادت کا عنصر ضرور شامل ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ کی زندگی کے ہر پہلو میں اپنے معاصر مشائخ و علماء میں سردار اور سرفہرست رہے، گویا دین کی زندہ تصویر میرے شیخ کامل تھے۔ ذہن میں ذکا، دل میں غنا، آنکھ میں حیا اور ہاتھ میں سخا، فطرت میں وفا آپ کا خلاصۂ حیات تھا۔ مال و دولتِ دنیا کو پرکاہ سی حیثیت دیتے تھے، ایسی شخصیات نابغہ روزگار اور مقصد زندگی ہیں:

شبے مجنوں بہ لیلیٰ گفت اے معشوق بے ہمتا
ترا عاشق شوند پیدا ولے مجنوں نخواہد شد

اللہ کی راہ میں جہاد بالنفس، قربِ خداوندی اور مومن کا مقصد حیات ہے، اس آرزو کو پورا کرنے کی خواہش تمام عمر آپ کے دل میں انگڑائیاں لیتی رہی، جہاد کشمیر میں مصروف اہلِ سنت و جماعت کی جہادی تنظیم لشکر اسلام کے بانی اراکین میں آپ بھی شامل تھے اور ان کی تشہیر و اشاعت میں آپ نے دامے، درمے اور سخنے حصہ لیا، کئی مجاہدین کو تربیت دلوائی اور ذوق علم میں مطالعہ کتب کے ساتھ ساتھ کتابوں کی خریداری آپ کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ چنانچہ طالب علمی دور میں آپ نے بیروت سے کتب منگوائیں اور اس ذوق کی تکمیل تا دم آخر اپنے صاحبزادہ جنید احمد صاحب کے ذوق پر رشک کرتے اور ان کی مستقل مزاجی اور خدمتِ دین پر اطمینان کا اظہار فرماتے تھے۔ مال دنیا کو اکٹھا کرنے اور تعداد بڑھانے کے مخالف تھے، بلکہ طمع، جمع اور منع کے نظریہ کو ساری عمر ملحوظِ خاطر رکھا۔

فرمانِ سید العالمین ﷺ خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ کے مطابق اپنے بھائیوں، بچوں اور بزرگوں کے ساتھ شیر وشکر بن کر رہے، اپنی عائلی ذمہ داریوں کو باحسن طور ادا کیا، چھوٹے دو بھائیوں کے ازواج اور آباد کاری کا فریضہ ادا فرمایا، بعد میں دو بیٹوں اور ایک صاحبزادی کی ذمہ داری اور رخصتی کے ذمہ سے عہدہ برآ ہوئے، یوں سفر دنیا میں منزلِ محبوب کی طرف گامزن رہے۔ رضائے خداوند تعالیٰ اور اس کے محبوب ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو مشعلِ راہ بنا کر رونق دنیا میں دل نہ لگایا، بلکہ دنیا و مافیہا کو فرمانِ محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے تحت جیب میں محفوظ رکھا، دل میں جگہ نہ دی۔

قلندر جز دو حرفِ لا الٰہ کچھ بھی نہیں رکھتا

74 سال عمر مبارک پا کر تقریباً چار ماہ مسلسل علالت میں گزارے اور اس عرصہ میں اپنے صاحبزادوں کی تربیت، تہذیب اور خدمت انسانیت کے والہانہ پن ودیعت کر کے پانچ بھائی بہن، چار بچے اور لاکھوں محبین کو سوگوار چھوڑ کر بروز جمعہ، 15/ مارچ 2024ء، چار رمضان مبارک 1445ھ، بعد نمازِ مغرب تقریباً چھ بج کر 45 منٹ پر بحریہ ٹاؤن لاہور، 832-گل بہار بلاک میں زبانِ ذاکر اور دلِ شاکر لے کر خالقِ حقیقی کے وصال کی لذت سے سرشار ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

وہ چلے جھٹک کے دامن مرے دستِ ناتواں سے
اسی دن کا آسرا تھا مجھے مرگِ ناگہاں سے

آپ کی نمازِ جنازہ انبوہِ خلق کثیرہ میں بروز ہفتہ، دو بج کر چوبیس منٹس پر آپ کے خلف رشید حضرت صاحبزادہ علامہ پیر محمد اویس احمد قادری نے ادا فرمائی، جو کہ خلقِ خدا کا ایک سمندر اور ضلع قصور کی تاریخ کا سب سے بڑا جنازہ تھا۔ شام ساڑھے پانچ بجے آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ دوسرے دن آپ کی قل خوانی میں آپ کے خلف رشید نے اس ذمہ داری کو قبول کرنے کا اعلان کیا اور خدمت و استقامتِ دین کا عہد کیا، راہِ محبت و خلوص کے مسافروں کی گردِ راہ میں رہنے کو مقصد وحید قرار دیا۔

نہ شیخ شہر، نہ شاعر، نہ خرقہ پوش اقبالؔ
فقیر راہ نشین است و دل غنی دارد

❀❀❀❀❀

نقشہ اوقاتِ نماز برائے بصیر پور شریف ومضافات---ماہ اپریل

تاریخ	صبح صادق، ابتدائے فجر وختم سحری	طلوعِ آفتاب، انتہائے فجر	ضحوۂ کبریٰ	ابتداء وقتِ ظہر	اخیر مثلِ اوّل	اخیر مثلِ دوم آغاز وقتِ عصر	غروبِ آفتاب (افطار) وقتِ مغرب	ابتداء وقتِ عشاء
-	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا
1	4:31:27	5:51:37	11:27:40	12:08:39	3:41:13	4:38:54	6:26:37	7:45:28
2	4:30:06	5:50:24	11:27:18	12:08:22	3:41:15	4:39:13	6:27:15	7:46:14
3	4:28:45	5:49:11	11:26:56	12:08:04	3:41:15	4:39:32	6:27:52	7:47:00
4	4:27:24	5:47:59	11:26:35	12:07:47	3:41:16	4:39:51	6:28:30	7:47:47
5	4:26:03	5:46:47	11:26:13	12:07:29	3:41:16	4:40:10	6:29:07	7:48:34
6	4:24:42	5:45:36	11:25:51	12:07:12	3:41:16	4:40:28	6:29:45	7:49:21
7	4:23:21	5:44:24	11:25:29	12:06:55	3:41:15	4:40:46	6:30:23	7:50:09
8	4:22:00	5:43:13	11:25:08	12:06:39	3:41:15	4:41:04	6:31:01	7:50:57
9	4:20:39	5:42:03	11:24:46	12:06:22	3:41:14	4:41:22	6:31:38	7:51:45
10	4:19:18	5:40:53	11:24:25	12:06:06	3:41:12	4:41:39	6:32:16	7:52:34
11	4:17:58	5:39:44	11:24:03	12:05:50	3:41:11	4:41:56	6:32:54	7:53:23
12	4:16:37	5:38:35	11:23:42	12:05:34	3:41:09	4:42:13	6:33:32	7:54:13
13	4:15:17	5:37:26	11:23:21	12:05:19	3:41:07	4:42:31	6:34:10	7:55:03
14	4:13:57	5:36:18	11:23:00	12:05:04	3:41:04	4:42:47	6:34:48	7:55:53
15	4:12:38	5:35:11	11:22:40	12:04:49	3:41:02	4:43:04	6:35:27	7:56:44
16	4:11:19	5:34:04	11:22:19	12:04:34	3:40:59	4:43:21	6:36:05	7:57:35
17	4:10:00	5:32:58	11:21:59	12:04:20	3:40:56	4:43:38	6:36:44	7:58:27
18	4:08:41	5:31:53	11:21:39	12:04:06	3:40:53	4:43:54	6:37:22	7:59:19
19	4:07:23	5:30:48	11:21:20	12:03:53	3:40:50	4:44:11	6:38:01	8:00:11
20	4:06:06	5:29:44	11:21:00	12:03:40	3:40:46	4:44:27	6:38:40	8:01:04
21	4:04:49	5:28:41	11:20:41	12:03:27	3:40:43	4:44:44	6:39:19	8:01:57
22	4:03:32	5:27:38	11:20:23	12:03:15	3:40:40	4:45:01	6:40:58	8:02:50
23	4:02:16	5:26:37	11:20:04	12:03:04	3:40:36	4:45:17	6:40:37	8:03:44
24	4:01:01	5:25:36	11:19:46	12:02:52	3:40:32	4:45:34	6:41:17	8:04:38
25	3:59:46	5:24:36	11:19:29	12:02:42	3:40:29	4:45:50	6:42:56	8:04:40
26	3:58:32	5:23:37	11:19:12	12:02:31	3:40:25	4:46:07	6:42:36	8:06:27
27	3:57:19	5:22:39	11:18:55	12:02:22	3:40:22	4:46:24	6:43:16	8:07:22
28	3:56:06	5:21:42	11:18:39	12:02:13	3:40:18	4:46:40	6:44:56	8:08:17
29	3:54:55	5:20:46	11:18:23	12:02:04	3:40:15	4:46:57	6:44:36	8:09:13
30	3:53:44	5:19:50	11:18:07	12:01:56	3:40:11	4:47:14	6:45:16	8:10:09

● ...... گھڑیاں درست رکھیں

بخدمت جمیع برادرانِ اسلام---السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا اپنا ادارہ، دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف، اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے فضل و کرم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطف وعنایت اور حضرت سیدی فقیہ اعظم مولانا ابوالخیر محمد نوراللہ نعیمی قدس سرہ العزیز کی باطنی توجہات سے علوم دینیہ کے فروغ کے لیے مصروف عمل ہے---اس وقت بحمداللہ تعالیٰ یہاں سیکڑوں زیر تعلیم طلبہ وطالبات، قدیم وجدید علوم سے مستفیض ہورہے ہیں، جن کی خوراک، رہائش، علاج، تعلیم، اساتذہ وعملہ کے مشاہرات اور دیگر ضروری لوازمات پر نہایت کفایت شعاری کے باوجود (تعمیراتی اخراجات کے علاوہ) لاکھوں روپے ماہانہ خرچ ہورہے ہیں---

صرف سٹاف کی تنخواہوں کے لیے چار لاکھ پچھتر ہزار روپے ماہانہ درکار ہوتے ہیں، جب کہ بجلی، گیس اور ایندھن پر تقریباً آٹھ لاکھ روپے ماہانہ صرف ہوتے ہیں---ادارہ کے بجٹ کا بڑا حصہ طلبہ کی خوراک پر صرف ہوتا ہے، چناں چہ سبزی، گوشت، دال، گھی اور مصالحہ جات پر چھ لاکھ ساٹھ ہزار (660,000) روپے ماہانہ خرچ ہورہے ہیں---طلبہ کی خوراک کے لیے تیرہ سو من گندم (مالیتی باون لاکھ روپے) اور ناشتہ کے لیے دوسو پچاس من چاول (مالیتی پچیس لاکھ روپے) درکار ہوتے ہیں---متفرق اخراجات سمیت اکتیس لاکھ پچیس ہزار (3,125,000) روپے ماہانہ اور تین کروڑ پچھتر لاکھ (37,500,000) روپے سالانہ مصارف ہیں---

یہ بات بھی آپ کے علم میں ہوگی کہ طلبہ کی تعلیمی اور رہائشی ضروریات کے لیے تین منزلہ جدید عمارت کا سٹرکچر تیار ہوگیا ہے---مشرقی جانب کی مکمل عمارت، ضروری تیاری اور فنشنگ کے لیے تقریباً دو کروڑ (20,000,000) روپے مزید درکار ہیں---

اندریں حالات اخراجات میں دارالعلوم کو آپ ایسے مخلص، جاں نثار اور اہلِ درد کی توجہ اور دینی جذبہ رکھنے والے مخیّر حضرات کے مالی تعاون کی بے حد ضرورت ہے---

حضرت سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز سے قدیمی تعلق وعقیدت اور علوم اسلامیہ سے محبت کے پیشِ نظر آپ کی اخلاقی و دینی ذمہ داری ہے کہ خصوصی دل چسپی سے اپنے مدرسہ کی بھرپور معاونت فرما کر رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مہمانانِ گرامی طلبائے کرام کی کفالت میں حصہ لینے کی سعادت حاصل کریں---آپ کے عطیات (عشر، زکوٰۃ، نقدی، چاول، گندم، مکئی ودیگر غلہ جات اور صدقہ وخیرات) یقیناً آپ کے لیے ذخیرۂ آخرت اور صدقۂ جاریہ ثابت ہوں گے، ان شاء المولیٰ تعالیٰ

والسلام

(صاحب زادہ) محمد محبّ اللہ نوری

مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف (اوکاڑا)

موبائل نمبر: 0300-4321088

صاحب زادہ مفتی محمد نعیم اللہ نوری: 0345-7526622

Monthly "NOOR-UL-HABIB" Basirpur
Regd No. PS / CPL - 25
ISSN 1993-4238

دینی درد اور علوم اسلامیہ سے محبت رکھنے والے احباب کو
اس کارِ خیر میں حصہ ڈالنے کی دعوت دی جاتی ہے
آپ کے صدقات، زکوٰۃ، خیرات، غلہ جات، دیگر عطیات

آپ کے لیے صدقہ جاریہ اور دنیا و آخرت
کی بھلائی کا ذریعہ بنیں گی۔ ان شاء المولیٰ تعالیٰ

نوٹ: عطیات کی رقم براہ راست بھجوائیں

(صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری
مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف ضلع اوکاڑا
موبائل نمبر: 0300-4321088, 0345-7526622, 0306-5696666